سَنُرِيهِمْ اٰيٰتِنَا فِي الْاٰفَاقِ وَفِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ ۭ [حٰمٓ السجدہ]

عنقریب دکھائیں گے ہم انہیں اپنی نشانیاں آفاق میں بھی اور ان کے اپنے نفس میں بھی یہاں تک کہ ان کے سامنے مکمل کر آ جائے گی یہ بات کہ یہ کتاب حق ہے۔

سائنسی ترقی میں اسلام اور مسلمانوں کی خدمات

www.KitaboSunnat.com

حافظ زاہد علی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قُلْ أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام

محدث لائبریری

کتاب وسنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

معزز قارئین توجہ فرمائیں

- کتاب وسنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب ...عام قاری کے مطالعے کیلئے ہیں۔
- مجلس التحقیق الاسلامی کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق واجازت کے بعد (Upload) کی جاتی ہیں۔
- دعوتی مقاصد کیلئے ان کتب کو ڈاؤن لوڈ (Download) کرنے کی اجازت ہے۔

تنبیہ

ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کیلئے استعمال کرنے کی ممانعت ہے

کیونکہ یہ شرعی، اخلاقی اور قانونی جرم ہے۔

اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر تبلیغ دین کی کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں

PDF کتب کی ڈاؤن لوڈنگ، آن لائن مطالعہ اور دیگر شکایات کے لیے درج ذیل ای میل ایڈریس پر رابطہ فرمائیں۔

KitaboSunnat@gmail.com

www.KitaboSunnat.com

www.KitaboSunnat.com

سیرت نبوی ﷺ پر انعام یافتہ کتابیں

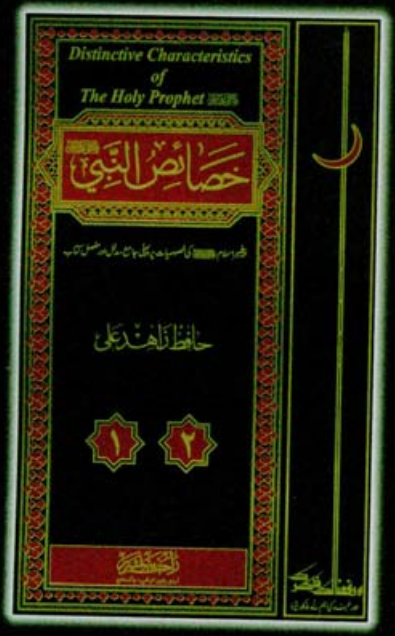

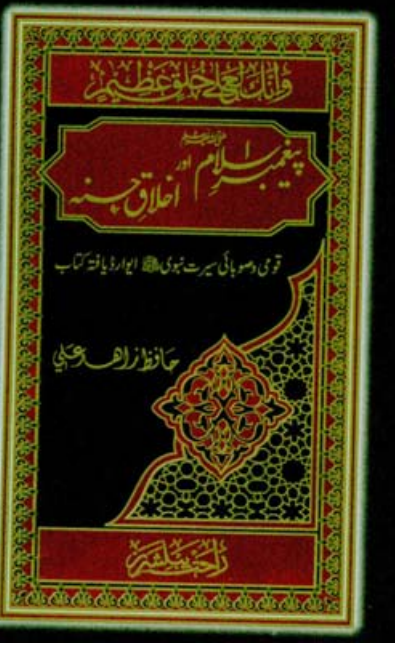

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اللہ نور السموات والارض

سائنسی ترقی میں اسلام اور مسلمانوں کی خدمات

اسلام اور مسلمانوں کے شاندار ماضی پر ایک تحقیقی مقالہ

حافظ زاہد علی

راحت پبلشرز
اُردو بازار، لاہور

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جملہ حقوق بحق مصنف محفوظ ہیں

اشاعت اول

2008 / 1429

إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَآيَاتٍ لِّأُولِي الْأَلْبَابِ

المکتبۃ الرحمانیۃ
۹۱-۔۔۔ ج ماڈل ٹاؤن - لاہور
۔۔۔

www.KitaboSunnat.com

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

انتساب

پیارے بیٹے

ثوبان احمد

کے نام

اس دعا کے ساتھ کہ اللہ رب العزت اپنے پسندیدہ

دین "اسلام" کی نشاۃِ ثانیہ کے لیے اسے قبول فرمائیں

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فہرست

سائنسی ترقی میں اسلام اور مسلمانوں کی خدمات

- پیش لفظ 11
- سائنسی ترقی میں اسلام اور مسلمانوں کی خدمات 13
  - قرآن حکیم کائنات اور نظام کائنات کا امین ہے 14
  - قرآنی تقاضا ہے کہ انسان مظاہر کائنات پر غور کرے 15
  - سائنسی ترقی کا عروج 16
  - اسلام کی خصوصیت نوع انسانی سے خالق کائنات کا تعارف 16
  - لفظ رب کے معنی 17
  - نظام تخلیق 18
  - نظام تسویہ 22
  - تفسیر جواہر القرآن اور سائنسی حقائق 23
  - تفسیر کبیر اور سائنسی حقائق 23
  - نظام تقدیر 24
  - نظام ہدایت 26
  - ہدایت وجدان 27
  - ہدایت کی مزید مثالیں 28
  - تکوین وجود کے مراتب 31
  - حیاتیات کی دو شاخیں 32
  - قرآن کائنات میں تدبر و تفکر کی دعوت دیتا ہے 33
  - انسانی ترقی کا نقطۂ آغاز 33
  - موجودہ سائنس کی بنیاد قرآن حکیم ہے 34

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

- خلیفہ المامون کے زمانے میں بیت الحکمت کا قیام..... 34
- مسلمانوں سے تعلق پیدا ہونے سے قبل یورپ کی حالت..... 35
- اہل یورپ پر رہبانیت کا غلبہ..... 36
- یورپ کا اخلاقی انحطاط..... 39
- حکومت اور کلیسا کی کشمکش..... 40
- تمام علوم کی بنیاد مسلمان ہی ہیں..... 40
- حصول علم کے لیے اہل یورپ کا مسلم یونیورسٹیوں کا رخ..... 41
- سائنسی علوم سیکھنے والوں کے ساتھ اہل کلیسا کے مظالم..... 42
- اہل کلیسا اور روشن خیال لوگوں میں تصادم..... 44
- یورپ میں اسلامی علوم کیسے پہنچے؟..... 45
- سائنس ہے کیا؟..... 49
- اللہ تعالیٰ کی صفت ربوبیت کے نتائج..... 49
- قدیم نظریات کا ابطال..... 54
- اسلام میں سائنس کی اہمیت..... 61
- قرآن حکیم کی آفاقیت..... 69
- سائنس کے مسلم دنیا پر اثرات..... 69
- یورپ پر سائنس کے اثرات..... 73
- ارباب کلیسا کی عیش پرستی..... 75
- ارباب کلیسیا کے خلاف بغاوت..... 76
- مادہ پرستی کا مذہب..... 77
- یورپ کا موجودہ مذہب..... 78
- مال وزر کی پرستش..... 79
- روحانی اقدار کی تباہی..... 83
- ایک المیہ..... 84
- تہذیب مغرب کا سب سے بڑا نقاد..... 87

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

- مغربی نظام تعلیم پر تنقید 92
- تحریک آزادی نسواں پر تنقید 95

◆ مذہب اور سائنس 107
◆ ابوعلی محمد الحسن ابن الہیثم 119
◆ الفارابی ابونصر محمد بن محمد بن طرخان بن اوزلغ 122
◆ ابوعلی حسین ابن عبداللہ سینا 126
- ابن سینا کی کتب 129

◆ ابن البیطار المالقی ابومحمد عبداللہ بن احمد ضیاء الدین 130
◆ ابوبکر محمد ابن یحییٰ ابن باجہ 133
◆ ابوبکر محمد عبدالملک ابن طفیل القیسی 137
◆ ابن النفیس علاؤالدین ابوالحسن علی بن ابی الحزم القرشی الدمشقی 144
◆ حبش الحاسب، احمد بن عبداللہ المروزی 148
◆ ابوالولید محمد بن احمد بن محمد بن رشد 150
◆ ابن حوقل ابن القاسم محمد ابن حوقل 158
◆ عباس ابن فرناس 160
◆ جابر بن حیان بن عبداللہ کوفی المعروف الصوفی 163
◆ ثابت ابن قرہ 171
◆ غیاث الدین ابوالفتح عمر ابن ابراہیم الخیامی المعروف بہ عمر خیام 173
◆ ابوعبداللہ وابوجعفر محمد بن موسیٰ الخوارزمی 179
◆ جعفر بن محمد ابومعشر البلخی 184
◆ البیرونی ابوالریحان محمد بن احمد 187
◆ الکندی 194
◆ فہرس المراجع 198

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پیش لفظ

سائنس کو مذہب کا حریف سمجھا جاتا ہے، لیکن یہ محض غلط فہمی ہے۔ دونوں کا دائرہ کار بالکل مختلف ہے، مذہب کا مقصد شرفِ انسانیت کا اثبات اور تحفظ ہے وہ انسان کامل کا نمونہ پیش کرتا ہے، سائنس کے دائرہ کار میں یہ باتیں نہیں، نہ ہی کوئی بڑے سے بڑا سائنسدان انسان کامل کہلانے کا مستحق ہے۔ اسی لیے مذہب اور سائنس کا تصادم محض فرضی اور خیالی ہے۔

مذہب کی بنیاد عقل وخرد، منطق وفلسفہ اور شہود پر نہیں ہوتی بلکہ ایمان بالغیب پر زیادہ ہوتی ہے۔ البتہ معاملات، معاش اور کچھ دوسرے معاملات کے احکامات مذہب نے عقل پر محصور کیے ہیں، اسی لیے مسلمانوں نے ہر دور میں تاریخی شعور کا ثبوت دیا ہے، تاریخی شعور عقلیت کی نفی کے ساتھ نہیں رہ سکتا، چنانچہ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ مذہب اسلام میں وہ عقلیت پسندی موجود ہے جو سائنس کی نشوونما اور ارتقاء کے لیے خشت اول ہے۔

اسلام نے علم کو کسی خاص گوشے میں محدود نہیں رکھا بلکہ تمام علوم کو سمیٹ کر یک قالب کر دیا ہے اور آخری کتاب قرآن کریم میں قیامت تک منصۂ شہود پر آنے والے تمام علوم کی بنیاد ڈالی ہے۔ بخلاف مغربی سائنسی فکر کے، اس نے طبیعیات (Physics) اور مابعد الطبیعیات (Metaphysics) کے درمیان ایک دیوار کھڑی کر دی، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مذہبی عقائد عقلیت سے محروم ہو گئے اور سائنس عقیدے سے محروم ہو گئی۔ لیکن اسلام نے تحقیق وتدوین اور جستجو کا سہرا روز اول سے ہی اپنے سر سجائے رکھا اور جابجا' قدم قدم پر لوگوں کو کائنات کے گم کردہ رازوں میں غور وخوض کرنے کی نہ صرف دعوت دی بلکہ اس کی حوصلہ افزائی بھی کی۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ مسلمانوں نے سب سے پہلے زبان کی تدوین کا آغاز کیا اور پہلی ہی صدی میں عربی زبان وادب کے تمام قوانین مدون کر دیئے گئے اور زبان کو اس کے تمام محاسن دے دیئے گئے اور بنوامیہ کے عہد کے آغاز ہی میں سائنسی علوم کی بھی بنیاد رکھی گئی جس میں علم الکیمیا کا خاص طور

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پر ذکر کیا جا سکتا ہے۔ جو بہت حد تک اسی دور میں ترقی کر گیا تھا۔

بہر حال قرآن کی اساسی تعلیم تفکر فی الکائنات اور حکمت تکوین میں تأمل و تدبر ہے، اسی لیے اسلام نے عقلیت کی کبھی نفی نہیں کی اور طبیعیات اور مابعد الطبیعیات کے رشتے کو جوڑے رکھا، جبکہ عیسائیت نے سائنس کی مخالفت کیے رکھی اور اس پر خدمات سرانجام دینے والوں پر زمین تنگ کئے رکھی، کیونکہ عیسائیت اسلام کی طرح حکمت تکوینی میں غور کرنے کی دعوت نہیں دیتی تھی۔

لیکن سائنس نے خوب ترقی کی اور مسلم سائنسدانوں نے کائنات کے گم کردہ رازوں سے پردہ اٹھایا اور قریباً ایک ہزار سال تک وہ اس کے بے تاج بادشاہ رہے۔ مگر مرور زمانہ کے ساتھ ساتھ مسلمان سست پڑتے گئے اور علم و تحقیق سے دور ہوتے چلے گئے، باطنی اختلافات و شورش بڑھتی چلی گئی جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ تفکر فی الکائنات کی صفت مسلمانوں کے دامن سے نکل گئی اور غیر اسے اپنا گئے، اور اس پر مستزاد یہ کہ غیروں نے مسلمانوں کے آثار و نشانات تک مٹا دیئے یا اپنے نام کر لیے اور ظلم کی حد یہاں تک کی کہ مسلمانوں کے اصلی نام بھی تبدیل کر دیئے گئے اور اس قسم کے نام تجویز کیے گئے جس سے ان کا عیسائی ہونا معلوم ہوتا ہے۔

''سائنسی ترقی میں اسلام اور مسلمانوں کی خدمات'' کے عنوان سے بندہ نے ایک مقالہ تحریر کیا تھا جو 2006ء میں تحقیقی مجلّہ علوم اسلامیہ (اسلامیہ یونیورسٹی، بہاولپور) میں شائع ہوا۔ دوستوں نے اس کاوش کو خوب سراہا اور اصرار کیا کہ اس میں مزید اضافہ کیا جائے اسے کتابی شکل دی جائے، چنانچہ اس پر نظر ثانی کر کے کچھ اضافہ جات کیے اور آخر میں چند نامور مسلم سائنسدانوں کے حالات بھی ذکر کر دیئے تا کہ اس عنوان پر قاری کو کچھ نہ کچھ مواد مل سکے اور یہ اس عنوان پر طالبعلمانہ کاوش ہے، مزید جاننے کے لیے اصل کتب کی طرف مراجعت کی جائے۔

اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ اسلام اور مسلمانوں کو ایک مرتبہ پھر عالم ارض و سماوات میں ترقی نصیب فرمائیں اور مسلمانوں کو امن و سکون اور وحدت نصیب فرمائیں۔

آمین یارب العالمین

راشد علی

۲۰۰۸/۳/۱۲ء

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سائنسی ترقی میں
اِسلام اور مسلمانوں کی خدمات

یہ بات تو ہر شخص جانتا ہے کہ قرآن حکیم کوئی سائنس کی کتاب نہیں بلکہ دین و اخلاق اور شرعی قوانین کی کتاب ہے، لیکن ضمناً اس میں فطرت کی تمام نیرنگیوں اور مختلف علوم وفنون کے حقائق معارف کا تذکرہ موجود ہے جس کو ہر علم وفن کا ماہر گہری نگاہ اور عمیق نظر ڈالنے سے معلوم کرسکتا ہے بلکہ بعض دفعہ اس کی عظمت و جلال کے نقوش اس پر اس طرح مرتسم ہوتے ہیں کہ وہ حیرت زدہ اور مبہوت ہو کر رہ جاتا ہے۔

جس ہستی نے اس کائنات کو تخلیق کیا اور جو ذات اس کو عدم سے وجود میں لائی اس ہستی اور ذات نے اس کلام برتر کو بھی نازل فرمایا اور ان دونوں میں اس قدر مطابقت، ہم نوائی اور ہم آہنگی رکھی کہ مختلف علوم وفنون کے ماہرین جب ایک طرف کائنات پر نگاہ ڈالتے ہیں اور دوسری طرف قرآن حکیم کا مطالعہ کرتے ہیں تو ان کے لیے مختلف علوم کے اسرار و رموز کا ایک دروازہ کھل جاتا ہے جس سے جھانک کر انہوں نے ان علوم وفنون کے مختلف اصول وضوابط وضع کیے۔ اگر یہ کہا جائے تو یہ نہ تو مبالغہ ہوگا اور نہ ہی کذب کہ قیامت تک جتنے بھی علوم وفنون خصوصیت کے ساتھ نظام کائنات کے متعلق وجود میں آتے جائیں گے اور ان کی جو بھی تحقیق ہوتی جائے گی ان کی تمام تفصیلات کو قرآنی اشارات کے ذیل میں لایا جا

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سکتا ہے۔ اور حدیث میں جو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے وہ کس قدر درست اور صحیح ہے کہ:

﴿اَلْقُرْآنُ لاَ یخلُقُ عَلٰی کَثْرَةِ الرَّدِّ وَلاَ تَنْقضی عَجَائِبه. وَهُوَ الْفَصْلُ لَیْسَ بِالْهَزْلِ وَلَا یَشْبَعُ مِنْهُ الْعُلَمَاءُ وَلَا تَزِیْغُ بِهِ الْأَهْوَاء﴾ ❶

''قرآن حکیم کو جتنی بار پڑھا جائے یہ پرانا نہیں ہوتا، اس کے عجائبات ختم نہیں ہوتے، یہ حق و باطل میں فیصلہ کرنے والی کتاب ہے، یہ مذاق نہیں ہے، علماء اس سے سیر نہیں ہوتے اور اس سے خواہشات نفسانی میں کجی پیدا نہیں ہوتی۔''

قرآن حکیم کائنات اور نظام کائنات کا امین ہے:

بہر حال قرآن حکیم کے مطالعہ اور کائنات پر تفکر و تدبر کی وجہ سے ایک ہمہ دان اور ہمہ بین ہستی کا وجود ثابت ہوتا ہے اور پتہ چلتا ہے کہ قرآن حکیم اس کائنات اور نظام کائنات کا امین ہے۔ چنانچہ خود قرآن میں کئی جگہ فرمایا گیا

﴿ وَنَزَّلْنَا عَلَیْکَ الْکِتَابَ تِبْیَاناً لِّکُلِّ شَیْءٍ﴾ ❷

''اور ہم نے آپ پر وہ کتاب نازل کی جو ہر شی کی خوب وضاحت کرنے والی ہے۔''

اور ایک جگہ پر ارشاد فرمایا:

﴿وَمَا مِنْ غَائِبَةٍ فِیْ السَّمَاء وَالْأَرْضِ إِلَّا فِیْ کِتَابٍ مُّبِیْنٍ﴾ ❸

''اور زمین و آسمان کا کوئی ایسا راز نہیں ہے جو اس کتاب مبین میں موجود نہ ہو۔''

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:

---

❶ شفا، قاضی عیاض: ۱/۳۹۰

❷ النحل: ۸۹

❸ نمل: ۷۵

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

﴿سَنُرِيهِمْ آيَاتِنَا فِي الْآفَاقِ وَفِي أَنفُسِهِمْ حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُ الْحَقُّ أَوَلَمْ يَكْفِ بِرَبِّكَ أَنَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ﴾ ❶

''اور ہم (ان منکرین حق کو) ایسے نشانات دکھادیں گے، اطراف عالم میں بھی اور خود ان کی اپنی ہستیوں میں بھی، تا آنکہ اس کلام کی حقانیت ان پر واضح ہو جائے۔ کیا یہ بات ان کی (تسلی و تشفی کے لیے) کافی نہیں ہے کہ تیرا رب (اس کائنات کی) ہر چیز سے واقف و آشنا ہے۔''

قرآنی تقاضا ہے کہ انسان مظاہر کائنات پر غور کرے:

ان آیات اور ان کے علاوہ قرآن حکیم کی اور کئی آیات اس بات کا تقاضا کرتی ہیں کہ انسان مظاہر کائنات اور کائنات پر غور و فکر کرے۔ چنانچہ جن لوگوں نے علوم جدید اور سائنس میں کمال حاصل کیا ہے وہ جب قرآن حکیم پر گہری نگاہ ڈالتے ہیں تو نہ صرف ان کو اس کا معجزہ ہونا صاف نظر آتا ہے بلکہ ان پر سائنس اور علوم جدیدہ کے اسرار و معانی بھی منکشف ہوتے ہیں جو قرآن حکیم کے علاوہ کسی اور کتاب میں انہیں نظر نہیں آتے۔ کائنات اور نظام کائنات کے بارہ میں ان حقائق کو قرآن حکیم میں بیان کرنے کی غرض و غایت حکیم الامت حضرت شاہ ولی اللہ کی اصطلاح میں ''التذکیر بآلاء اللہ'' ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی نوازشات اور مظاہر کائنات کے ذریعہ تذکیر و انتباہ تا کہ یہ مغرور اور باغی انسان اپنی باغیانہ روش سے باز آجائے اور نیکی اور خدا پرستی کا راستہ اختیار کرلے۔ ❷

مختصر یہ کہ قرآن حکیم کی مختلف آیات میں کائنات اور نظام کائنات کے علوم و معارف کا ایک بحر محیط موجزن ہے، اور ہر دور کے تقاضوں کے مطابق نئے نئے حقائق منظر عام پر آرہے ہیں۔ پھر قرآن حکیم کی آیات کی غرض و غایت اور

❶ حم سجدہ: ۵۲

❷ الفوز الکبیر ص ۱۰

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سب سے بڑھ کر ان کا اچھوتا، دل نشین اور سحر انگیز اسلوب بیان یہ سب ایسے امور ہیں جن سے ذوق و وجدان رقص کرنے لگ جاتے ہیں اور عقل بے ساختہ پکار اٹھتی ہے کہ یہ یقیناً کلام الٰہی ہے۔

سائنسی ترقی کا عروج:

سائنس کا اس وقت دنیا میں دور دورہ ہے۔ انسانیت نے سائنس کے میدان میں ہر شعبہ میں ترقی کی نئی نئی راہیں تلاش کی ہیں، اور اب بات یہاں تک پہنچ چکی ہے کہ انسان اب پرندوں کی طرح ہوا میں اڑنے لگا اور مچھلیوں کی طرح سمندر کی تہوں میں تیرنے لگا۔ اسی سائنس کا ایک شعبہ حیاتیات (Biology) بھی ہے جس کا مطلب ہے ''زندگی کا علم'' یعنی The Sicence of Life بیالوجی کی دو بڑی شاخیں ہیں۔ ایک علم نباتات (Botoany) اور دوسرا علم حیوانات (Zoology)۔ پھر ان میں سے ہر ایک کی کئی شاخیں ہیں۔ تمام حیوانات اور نباتات میں سے ہر نوع کا ایک مخصوص طرز پیدائش، افزائش نسل، نشو ونما اور بڑھاپا اور موت کے مخصوص اطوار ہوتے ہیں۔ جس کے مطابق وہ اپنی طبعی اور فطری زندگی گزارتا ہے۔ تمام حیوانات و نباتات کے اجسام کا نشو ونما اور اس کی بڑھوتی و افزائش ایک مسلسل کیمیاوی عمل کے تحت خلیوں (Cells) میں انجام پاتی ہے۔ اس عمل کے ذریعہ ہر خلیہ مسلسل دو دو حصوں میں تقسیم ہوتا اور اپنی جگہ پر مکمل خلیہ بنتا چلا جاتا ہے۔ تمام حیاتیاتی اجسام کی افزائش اسی طرح ہوتی رہتی ہے۔ اس عمل کو نظام تحول (Metabolism) کہا جاتا ہے۔ اگرچہ حیوانات کی طرح نباتات بھی حساس ہوتے ہیں لیکن حیوانی دنیا میں نظام عصبی (Nervous System) بہت ترقی یافتہ ہے نباتاتی دنیا میں یہ نظام نہایت ادنیٰ درجے کا ہے۔

اسلام کی خصوصیت نوع انسانی سے خالق کائنات کا تعارف:

اس بارہ میں مزید گفتگو کرنے سے قبل یہ بات ذہن میں رہے کہ یہ چیز اسلام کی خصوصیت میں سے ہے کہ وہ نوع انسانی سے خالق کائنات کا تعارف ''رب''

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کی حیثیت سے کراتا ہے تاکہ خالق کائنات کی تعظیم وتقدیس اس کی ربوبیت کی بنا پر کی جائے۔ یہ ایک عقلی دلیل بھی ہے اور ربوبیت سے الوہیت پر استدلال بھی۔ دعوت کا یہ طریقہ کسی اور مذہب میں نہیں ہے اور یہ طریقہ بالکل فطری اور عقلی بھی ہے۔

لفظ رب کے معنی:

''رب'' کے لغوی معنی تو ہیں ''اِنْشَاءُ الشَّیْءِ حَالاً فَحَالاً اِلٰی حَدِّ التَّمَامِ'' ❶ یعنی کسی چیز کو درجہ بدرجہ حد کمال تک پہنچانا۔ اور یہ مفہوم جدید سائنسی علوم کی روشنی میں نہ صرف حیوانات و نباتات پر صادق آتا ہے بلکہ عالم جمادات اور عالم سماوات پر بھی پوری طرح صادق آتا ہے۔ معلوم ہوا کہ رب وہ ہے جو ایک ننھے سے ایٹم سے لے کر سیاروں تک کی مخلوقات کو اس کے فطری اور طبعی ضوابط کے مطابق نشوونما دینے والا اور ہر ایک کو بتدریج حد کمال تک پہنچانے والا ہے۔ اس لحاظ سے دیکھا جائے تو تمام مخلوقات اپنی نشوونما میں اس کی محتاج اور دست نگر ہیں اور وہ سب پر غالب اور حکمران ہے۔ چنانچہ قرآن حکیم میں ہے:

﴿وَلَهُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ كُلٌّ لَّهُ قَانِتُوْنَ﴾ ❷

''زمین اور آسمانوں میں جو کچھ ہے سب کا مالک وہی ہے اور سب اسی کی بارگاہ میں جھکے ہوئے ہیں''

قرآن حکیم کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ جہاں اللہ تعالیٰ کے رب ہونے کا ذکر ہے وہاں اس نے مخلوقات کی بڑھوتری اور نشوونما کا ایک مخصوص فطری اور طبعی ضابطہ بھی بیان کیا ہے پھر ہر ایک کو اس ضابطہ کے عین مطابق چلنے کی توفیق بھی دی۔ وہ طبعی اور فطری ضابطہ کیا ہے؟ تخلیق، تسویہ، تقدیر اور ہدایت۔ اس کو اللہ تعالیٰ نے مختلف آیات میں بیان فرمایا، لیکن سورت الاعلیٰ میں ان چاروں چیزوں کو اکٹھا بیان فرمایا:

---

❶ مفردات امام راغب

❷ روم: ۲۶

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

﴿سَبِّحِ اسْمَ رَبِّکَ الْأَعْلَی O الَّذِیْ خَلَقَ فَسَوّٰی O وَالَّذِیْ قَدَّرَ فَهَدٰی﴾ ❶

''پاکی بیان کر اپنے رب کے نام کی، جس نے پیدا کیا پھر درست کیا، جس نے مقرر کیا پھر راہ بتلائی۔''

ایک اور مقام پر فرمایا:

﴿یَا أَیُّهَا الْإِنسَانُ مَا غَرَّکَ بِرَبِّکَ الْکَرِیْمِ O الَّذِیْ خَلَقَکَ فَسَوّٰکَ فَعَدَلَکَ O فِیْ أَیِّ صُوْرَةٍ مَّا شَاءَ رَکَّبَکَ﴾ ❷

''اے انسان کس شی نے تجھے دھوکے میں ڈالا اپنے رب کریم کے بارہ بارے میں، جس نے تجھ کو عدم سے وجود بخشا، پھر (تیرے انسانی اعضاء کو پورے تناسب کے ساتھ) درست کیا۔ پھر (تیرے مزاج اور تیری خصلتوں اور تیرے جسم میں کارفرما باطنی اور ظاہری نظاموں کو) معتدل بنایا اور جس صورت میں چاہا تجھ کو ڈھال دیا۔''

ان آیات کے علاوہ اور بھی کئی آیات ہیں جن میں ان چار چیزوں کو بیان فرمایا تاکہ لوگوں کو اس کی ربوبیت کے فطری ضابطہ کا علم ہو۔

نظام تخلیق:

خلق کے معنی ہیں کسی چیز کو سابق مثال کے بغیر عدم سے وجود میں لانا۔ لسان العرب میں ابوبکر ابن الانباری کا قول نقل کیا گیا ہے کہ کلام عرب میں ''خلق'' کی دو صورتیں ہیں:

(۱) کسی شی کو انوکھے طریقہ پر وجود میں لانے کے بعد پھر اسی سابقہ طرز پر پیدا کرتے رہنا۔

---

❶ الاعلیٰ: ۱۔۳

❷ الانفطار: ۶۔۸

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(۲) اندازہ کرنا۔ چنانچہ قرآنِ حکیم میں ہے:

﴿فَتَبَارَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخَالِقِيْنَ﴾ ❶

''یعنی اللہ بہترین اندازہ کرنے والا ہے۔''

خلاصہ یہ کہ خلق کا اطلاق تین معنوں پر ہوتا ہے۔

(۱) کسی سابقہ مثال کے بغیر کسی چیز کو عدم سے وجود میں لانا۔

(۲) کسی چیز کو عدم سے وجود میں لا چکنے کے بعد پھر اسی مادے سے دوسری چیزیں پیدا کرتے رہنا۔

(۳) اندازہ کرنا۔

آج انسان اس ترقی یافتہ زمانہ میں قریباً آٹھ لاکھ حیوانات اور چار لاکھ نباتات کے وجود کا پتہ لگا چکا ہے لیکن کسی ایک نوع کے بارہ میں بھی باوجود اس سائنسی ترقی کے وہ یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ وہ اس نوع کا خالق ہے۔ خلاق عالم لاکھوں انواع حیات کو بغیر کسی سابق مثال کے وجود میں لا چکا ہے اور پھر ہر نوع کے لاکھوں کروڑوں افراد کو ان کی تمام نوعی خصوصیات کے عدم سے وجود میں برابر لا رہا ہے لیکن حق تعالیٰ شانہ کے علاوہ اور کوئی ایسی ہستی اس کرہ اغبر پر یہ دعویٰ نہیں کر سکتی کہ وہ ایسا کر سکتی ہے۔ چنانچہ قرآن حکیم نے چودہ سو سال پہلے جو دعویٰ کیا تھا وہ آج بھی صحیح اور صادق ہے کہ:

﴿إِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَنْ يَّخْلُقُوْا ذُبَابًا وَّلَوِ اجْتَمَعُوْا لَهٗ﴾ ❷

''جن لوگوں کو تم اللہ تعالیٰ کے سوا پکارتے ہو (ان کی حالت یہ ہے کہ) وہ ایک مکھی بھی پیدا نہیں کر سکتے اگرچہ وہ سب اس کام کے لیے جمع ہو جائیں۔''

اس آیت کی تفسیر میں شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ فرماتے ہیں:

---

❶ المومنون:۱۴

❷ حج:۷۳

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

''یعنی مکھی بہت ہی ادنیٰ اور حقیر جانور ہے، جن چیزوں میں اتنی بھی قدرت نہیں کہ وہ سب مل کر ایک مکھی پیدا کر دیں، یا مکھی ان کے چڑھاوے وغیرہ میں سے کوئی چیز لے جائے تو اس سے واپس لے لیں ان کو ''خالق السماوات والارضین'' کے ساتھ عبودیت اور خدائی کرسی پر بٹھا دینا کس قدر بے حیائی، حماقت اور شرم ناک گستاخی ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ مکھی بھی کمزور، مکھی سے زیادہ ان کے بت کمزور اور بتوں سے بڑھ کر ان کو پوجنے والا کمزور ہے جس نے ایسی کمزور اور حقیر چیز کو اپنا معبود اور حاجت روا بنالیا۔'' ❶

آج پوری دنیائے سائنس مل کر بھی ایک مکھی یا مچھر پیدا کرنا تو بہت دور کی بات ہے اس کا ایک ادنیٰ درجہ کا جرثومہ بھی پیدا نہیں کر سکتے۔ اس طرح سائنس دانوں نے پیوند کاری (Grafting) سے مختلف رنگوں کے گلاب تو پیدا کر لیے لیکن زمین کا ایک ذرہ پوری دنیائے سائنس مل کر نہیں بنا سکی۔

﴿إِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْخَلَّاقُ الْعَلِيمُ﴾ ❷

''بے شک تیرا رب ہی خلاق اور ہمہ دان ہے۔''

''خلاق'' عربی زبان میں مبالغہ کا صیغہ ہے جس کے معنی ہیں "الخالق خلقاً بعد خلق" یعنی ایک کے بعد دوسری مخلوق پیدا کرنے والا۔

بتایا یہ کہ حیوانات اور نباتات کی لاکھوں قسموں کو پیدا کرنے والا تیرا رب ہی ہے کیونکہ وہ ''خلاق علیم'' ہے، اس کے علاوہ پوری کائنات میں اور کوئی شخص خواہ وہ ایک ہو یا پوری جماعت، کسی نوع کے خلق و آفرینش کا دعویٰ نہیں کر سکتا، اور اگر کوئی یہ دعویٰ کرتا ہے تو وہ اپنے دعویٰ میں جھوٹا ہے۔ چنانچہ قرآن حکیم نے واشگاف الفاظ میں کہا:

﴿أَمْ جَعَلُوا لِلَّهِ شُرَكَاءَ خَلَقُوا كَخَلْقِهِ فَتَشَابَهَ الْخَلْقُ عَلَيْهِمْ قُلِ

❶ فوائد عثمانی: ص ۵۴۵

❷ حجر: ۸۶

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ وَهُوَ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ﴾ ❶

''کیا ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ (کی خدائی میں) ایسے بھی شریک ٹھہرا رکھے ہیں جنہوں نے اللہ کی تخلیق کی طرح کوئی تخلیق کر دی ہو جس کی وجہ سے ان کو (ان دونوں قسم کی) تخلیقات میں التباس ہو گیا ہو۔ آپ کہہ دیں کہ اللہ ہی ہر شی کا خالق ہے اور وہ اکیلا اور قہار ہے۔''

پھر اللہ تعالیٰ کے مقابلہ میں ان لوگوں کی بے بسی ان الفاظ میں ظاہر فرمائی:

﴿ وَاتَّخَذُوا مِن دُونِهِ آلِهَةً لَّا يَخْلُقُونَ شَيْئًا وَهُمْ يُخْلَقُونَ وَلَا يَمْلِكُونَ لِأَنفُسِهِمْ ضَرًّا وَلَا نَفْعًا وَلَا يَمْلِكُونَ مَوْتًا وَلَا حَيَاةً وَلَا نُشُورًا ﴾ ❷

''ان لوگوں نے اللہ کے سوا (ایسے بے بسوں کو) معبود بنا لیا ہے جو کسی بھی شے کو پیدا نہیں کر سکتے بلکہ وہ خود پیدا کیے گئے ہیں (لہٰذا جو خود مخلوق ہو وہ خالق کیسے ہو سکتا ہے اسی وجہ سے) ان کو نہ تو اپنے ذاتی نقصان اور نفع کا کوئی اختیار ہے، نہ موت کا، نہ زندگی کا اور نہ دوبارہ اٹھ کھڑے ہونے کا۔''

بتایا یہ کہ اگرچہ ظاہری طور پر انسان مختار نظر آتا ہے لیکن وہ اتنا بے بس، درماندہ اور عاجز ہے کہ اگرچہ وہ ستاروں پر کمندیں ڈال رہا ہے، ستاروں کی گزرگاہوں کی تلاش میں ہے، لیکن اپنی بے بسی اور درماندگی کی وجہ سے وہ ایک مکھی اور مچھر جیسی حقیر شی بھی پیدا کرنے سے قاصر ہے بلکہ جرثومۂ حیات (Protoplasm) کی حقیقت کو سمجھنے تک سے عاجز اور بے بس ہے، تخلیق کرنا تو بہت دور کی بات ہے۔

---

❶ رعد:۱۶

❷ فرقان:۳

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نظام تسویہ:

عربی کے مشہور لغت القاموس جلد۴ ص ۳۴۵، لسان العرب جلد۱۴ ص ۴۱۲ اور مفردات امام راغب ص ۲۵۲ کے مطابق تسویہ کا مطلب ہے ہر قسم کی جسمانی درستگی جس میں حد درجہ اعتدال ملحوظ رکھا گیا ہو اور اس میں کسی قسم کا کوئی عیب اور نقص نہ ہو۔ جس کی مثال یہ ہے کہ ایک ہاتھ بیس انچ اور دوسرا تیس انچ یا ایک آنکھ ایک انچ کی اور دوسری دس انچ کی۔ حق تعالیٰ شانہٗ نے انسان اور دوسرے حیوانات کے ایک ایک عضو میں حیرت انگیز اعتدال، یکسانیت اور تناسب ملحوظ رکھا جس کی وجہ سے پورے جسمانی نظام میں ہم آہنگی پائی جاتی ہے۔ چنانچہ ایک چھوٹے سے چھوٹے حیوان سے لے کر ایک بڑے سے بڑے ہاتھی اور دوسرے حیوانات خواہ وہ خشکی کے ہوں یا پانی کے، ان کی ساخت میں ایک حیرت زدہ اور تعجب انگیز نظم وضبط اور اعلیٰ درجہ کی صناعی رکھی گئی ہے جس کو دیکھ کر ہر انسان "فتبارک اللّٰہ احسن الخالقین" پکار اٹھتا ہے۔ چنانچہ سید محمود آلوسیؒ نے اپنی تفسیر میں تسویہ کے معانی بیان کرتے ہوئے لکھا ہے:

﴿جعله متساوياً وهو اصل معناه والمراد فجعل خلقه كُما تقتضيه حكمة سبحانه في ذاة و صفاة، وفي معانه ماقيل اَیٰ فجعل الأشياء سواء في باب الاحكام والاتقان، وَلَانهٗ سبحانه اتقن بعضاً دون بعض﴾ ❶

''یعنی بالکل ٹھیک ٹھاک کیا یہ تو اصل معنی ہیں، اور اس سے مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کو اپنی حکمت کے تقاضا کے عین مطابق بنایا جیسا کہ اس کی ذات اور صفات اس کی مقتضی تھی اور اسی معنی میں کہا گیا ہے کہ اس نے تمام اشیاء کو محکم اور مضبوط طور پر بنایا ہے، ایسا نہیں بنایا کہ بعض میں تو اتقان ملحوظ رکھا گیا ہو اور بعض میں نہ رکھا گیا ہو۔''

❶ روح المعانی: ۱۰۴/۳

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تفسیر جواہر القرآن اور سائنسی حقائق:

علامہ طنطاوی نے جن کی تفسیر میں بعض مقامات پر کچھ سائنسی حقائق کو بھی بیان کیا گیا ہے، یہاں بھی انہوں نے بڑی اچھی اور جدید تحقیقات کی روشنی میں بحث کی ہے اور یہ ثابت کیا ہے کہ اس کائنات کی خلقت اور آفرینش میں ہمہ دان کی طرح نظم واستحکام رکھا گیا ہے، جیسا کہ چہرہ کی خوبصورتی چار اعضاء میں رکھ دی: منہ، ناک اور دو آنکھیں۔ اگر یہ اعضا باہم متناسب ہوں تو خوبصورتی پیدا ہوتی ہے ورنہ بدصورتی نمایاں ہوتی ہے، انسان کی انگلیوں کو کس طرح پتلا بنایا۔ انگلی میں تین تین پورے رکھے جو نہایت باریک بینی کے ساتھ باہم جوڑے گئے۔ پھر ان کی گرفت کو ایسا مضبوط بنایا کہ ہر قسم کے آلات کو انسان کے لیے پکڑنا آسان ہو گیا ہے۔ ایسے حیوانات اور پرندوں کے اعضا میں ایک تناسب اور ہم آہنگی رکھی۔ ایسے ہی نباتات کے داخلی اجزاء میں اختلاف عناصر کے ذریعہ انسان کے لیے بہت سے فوائد ودیعت کر دیئے اور ان کے عناصر میں اس صانع عالم نے ایک حکیمانہ مقدار کے مطابق ایک تناسب رکھا۔ چنانچہ جس طرح ہاتھوں کی ہڈیوں اور پوروں میں ایک متناسب اندازہ اور نظام نہ ہوتا تو اس کے مطلوبہ فوائد ظاہر نہ ہوتے، اسی طرح نباتات کے اجزاء میں بھی اگر ''تسویہ'' نہ ہوتا تو اور نباتات کا نظام بھی رگڑگوں ہو جاتا۔ ❶

تفسیر کبیر اور سائنسی حقائق:

امام فخر الدین رازیؒ نے بھی اپنی تفسیر میں کچھ اسی قسم کی باتیں لکھی ہیں کہ حیوانات میں اللہ تعالیٰ نے ہر نوع کو اس کی ضرورت کے مطابق مناسب اعضاء اور آلات وحواس عطا فرمائے۔ اور نہ صرف حیوانات کو بلکہ اس کائنات کی ہر شی اور ہر مخلوق کو اپنی مشیت کے مطابق بغیر کسی انتشار واضطراب کے نہایت درجہ محکم طریقے

❶ تفسیر جواہر القرآن ملخصا: ۱۱۲/۲۵

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پر پیدا فرمایا۔ ❶

حق تعالیٰ شانہ نے اس حکمت بالغہ کے تحت جو تمام سائنسی اور غیر سائنسی علوم کی حیرت انگیز مباحث کا تذکرہ ہے، اس کو قرآن حکیم کی ایک آیت میں اختصار کے ساتھ کچھ یوں بیان کیا گیا:

﴿إِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنَاهُ بِقَدَرٍ﴾ ❷

''بے شک ہم نے ہر چیز کو ایک خاص اور متعین انداز سے پیدا کیا۔''

تسویہ کا نظام جس طرح عالم حیوانات اور عالم نباتات پر صادق آتا ہے، اسی طرح عالم جمادات اور عالم افلاک پر بھی صادق آتا ہے۔ چنانچہ قرآن حکیم میں ایک مقام پر ارشاد فرمایا:

﴿ءَأَنتُمْ أَشَدُّ خَلْقًا أَمِ السَّمَاءُ بَنَاهَا ○ رَفَعَ سَمْكَهَا فَسَوَّاهَا﴾ ❸

''(اے انسانو!) تمہاری تخلیق زیادہ مشکل ہے یا آسمان کی؟ جس کو اس نے بنایا، اس کی چھت کو اونچا کیا، پھر اس کو ٹھیک ٹھاک کیا۔''

نظام تقدیر:

اس سلسلہ میں تیسری چیز نظام تقدیر ہے یعنی اس نے تمام مخلوقات کے لیے ایک طبعی نظام مقرر کیا ہے اور پھر ہر ایک کو اس نظام کے مطابق کام کرنے اور اپنی زندگی گزارنے کی توفیق بھی عطا فرمائی ہے۔ چنانچہ قرآن حکیم میں فرمایا:

﴿وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ فَقَدَّرَهُ تَقْدِيرًا﴾ ❹

''اور اللہ نے ہر چیز کو پیدا کیا اور پھر اس کا ایک اندازہ مقرر کیا۔''

---

❶ تفسیر کبیر للرازی: ۸/ ۲۷۹

❷ قمر: ۴۹

❸ النازعات: ۲۷۔۲۸

❹ فرقان: ۲

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

امام راغب نے اپنی کتاب میں اس لفظ کے معنی یوں بیان فرمائے ہیں:

''القدر والتقدیر کے معنی کسی چیز کی کمیت کو بیان کرنے کے ہیں، اور تقدیر کا ایک معنی طاقت اور قدرت عطا کرنا بھی ہے۔ پس تقدیر الٰہی کی دو صورتیں ہیں:

(۱) اللہ تعالیٰ کا قدرت و طاقت عطا کرنا۔

(۲) اللہ تعالیٰ کا اشیاء کو مقدار مخصوص اور طرز مخصوص پر بنانا جیسا کہ اس کی حکمت کا تقاضا ہے، اس لیے کہ فعل الٰہی دو قسم پر ہے۔ اول ایجاد بالفعل یعنی ابتداء ہی سے کسی شی کو ایسا کامل وجود عطا کرنا کہ جب تک مشیت الٰہی اس کے فنا یا تبدیل کی مقتضی نہ ہو اس میں کمی بیشی نہ ہو سکے جیسے اجرام سماویہ اور اس میں موجود اشیاء کی تخلیق کہ ان میں تا قیامت کسی قسم کا تغیر و تبدل نہیں ہوگا۔ دوسرا یہ کہ اصول اشیاء کو بالفعل اور ان کے اجزاء کو بالقوۃ وجود عطا فرمانا اور ان کو اس اندازہ کے ساتھ مقدر کرنا کہ اس کے خلاف ظہور پذیر نہ ہو سکیں جیسا کہ کھجور کی گٹھلی کے متعلق تقدیر الٰہی یہ ہے کہ اس سے کھجور کا درخت ہی اگتا ہے اور سیب اور زیتون کا درخت نہیں اگ سکتا۔ اسی طرح انسان کے مادہ منویہ سے انسان ہی پیدا ہوتا ہے دوسرے جانور پیدا نہیں ہو سکتے۔'' ❶

ان معنوں کی رو سے سورۃ الفرقان کی آیت کا مطلب یہ ہوا کہ ''وہ ہر ایک مخلوق اور ہر ایک نوع کا ایک مخصوص طبعی قانون مقرر کرتا ہے اور پھر اس قانون طبعی کے مطابق اس کو زندگی کے اس میدان میں جدوجہد کرنے کی پوری قدرت اور صلاحیت بھی حاصل ہوتی ہے۔'' چنانچہ تقدیر کا یہ نظام نہ صرف حیوانات اور نباتات میں جلوہ گر ہے بلکہ سماوات، کواکب، عناصر، جمادات اور دوسری تمام مخلوقات میں بھی جاری و ساری ہے۔ چنانچہ قرآن میں ایک مقام پر ارشاد فرمایا:

﴿ وَجَعَلَ الَّيْلَ سَكَناً وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ حُسْبَاناً ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ﴾ ❷

---

❶ مفردات القرآن: ص ۳۹۵

❷ الانعام: ۹۶

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

''اور اس نے رات کو باعث سکون بنایا ور شمس وقمر کا ایک حساب مقرر کیا۔ (ان دونوں فلکی اجرام کا کام، ایک زبردست اور ہمہ دان ہستی کا مقرر کیا ہوا ضابطہ ہے۔''

قرآن حکیم میں ایک عمومی ضابطے کا اعلان ان الفاظ میں کیا:

﴿قَدْ جَعَلَ اللّٰهُ لِكُلِّ شَيْءٍ قَدْراً﴾ ❶

''اور اللہ نے ہر شی کا ایک ضابطہ بنا رکھا ہے (جس کے تحت وہ اپنا کام کرتی ہے)۔''

یہی وجہ ہے کہ تمام مظاہر کائنات اور زمین و آسمان کی ہر شی ایک مضبوط ضابطے میں جکڑی ہوئی ہے جس کو مذہب کی زبان میں ''تقدیر'' اور سائنس کی زبان میں قوانین فطرت (Laws of Nature) کہتے ہیں۔

نظام ہدایت:

نظام تقدیر کے بعد اب چوتھی چیز نظام ہدایت ہے۔ یہ وہی ہدایت ہے جس کے بارے میں سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے کہا تھا:

﴿قَالَ رَبُّنَا الَّذِيْ أَعْطٰى كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهُ ثُمَّ هَدٰى﴾ ❷

''کہا: ہمارا رب وہ ہے جس نے ہر شی کو خلقت عطا فرمائی اور پھر اس کو ہدایت (راہ نمائی) دی۔''

ہدایت کا مفہوم یہاں نہایت وسیع معنوں میں ہے یعنی مخلوقات کی ہر نوع کو اس کے مخصوص طبعی قانون اور ضابطے کے مطابق اس کی راہ نمائی کرنا بھی اس رب تعالیٰ کا کام ہے۔ اور یہ مخصوص نوعی قانون ہر مخلوق کی فطرت میں اللہ تعالیٰ نے پوری طرح ودیعت کر دیا ہے یہاں تک کہ وہ اس کے خلاف نہ کر سکتا ہے اور نہ جا

---

❶ طلاق:۳

❷ طٰہٰ:۵۰

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سکتا ہے۔ قرآن حکیم میں ''خلق'' کے ساتھ جو ہدایت کا لفظ استعمال ہوا ہے، اس سے مراد وہ مرتبہ ہدایت ہے جو تمام مخلوقات پر ان کی پرورش کی راہیں کھولتا ہے، انہیں زندگی کی راہ پر لگاتا اور ضروریات زندگی کی طلب وحصول میں راہ نمائی کرتا ہے۔ فطرت کی یہ ہدایت دراصل ربوبیت کی ہدایت ہے۔

ہدایت وجدان:

مولانا ابوالکلام آزادؒ نے اس ہدایت کو ''ہدایت وجدان'' کا نام دیا ہے۔ مولانا لکھتے ہیں:

''وجدان کی ہدایت یہ ہے کہ ہم دیکھتے ہیں ہر مخلوق کی طبیعت میں کوئی ایسا اندرونی الہام موجود ہے جو اسے زندگی اور پرورش کی راہوں پر خود بخود لگا دیتا ہے، اور وہ باہر کی راہ نمائی وتعلیم کی محتاج نہیں ہوتی۔ انسان کا بچہ ہو یا حیوان کا جونہی شکم مادر سے باہر آتا ہے خود بخود معلوم کر لیتا ہے کہ اس کی غذا ماں کے سینے میں ہے، اور جب پستان منہ میں لیتا ہے تو جانتا ہے کہ اسے زور زور سے چوسنا چاہیے۔ بلی کے بچوں کو ہم ہمیشہ دیکھتے ہیں کہ ابھی ابھی پیدا ہوئے ہیں، ان کی آنکھیں بھی نہیں کھلی ہیں لیکن ماں جوش محبت میں انہیں چاٹ رہی ہے۔ وہ اس کے سینہ پر منہ مار رہے ہیں۔ یہ بچہ جس نے عالم ہستی میں ابھی ابھی قدم رکھا ہے۔ جسے خارج کے مؤثرات نے چھوا تک نہیں، کس طرح معلوم کر لیتا ہے کہ اسے پستان منہ میں لے لینا چاہیے، اور اس کی غذا سرچشمہ یہیں ہے۔ وہ کون سا فرشتہ ہے جو اس وقت اس کے کان میں پھونک دیتا ہے کہ اس طرح اپنی غذا حاصل کر لے۔ یقیناً وہ وجدانی ہدایت کا فرشتہ ہے اور یہی وجدانی ہدایت ہے جو قبل اس کے کہ حواس وادراک کی روشنی نمودار ہو، ہر مخلوق کو اس کی پرورش اور زندگی کی راہوں پر لگا دیتی ہے۔'' ❶

❶ ترجمان القرآن: ۱/۴۴

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حضرت مولانا ابوالکلام آزادؒ اس بارے میں ایک مزید مثال دے کر اس بات کی مزید وضاحت فرماتے ہیں:

''تمہارے گھر میں پلی ہوئی بلی ضرور ہوگی۔ تم نے دیکھا ہوگا کہ بلی اپنی عمر میں پہلی مرتبہ حاملہ ہوئی ہے۔ اس حالت کا اسے کوئی پچھلا تجربہ نہیں، تاہم اس کے اندر کوئی چیز ہے جو اسے بتا دیتی ہے کہ تیاری اور حفاظت کی سرگرمیاں شروع کر دینی چاہئیں۔ جونہی وضع حمل کا وقت قریب آتا ہے، خود بخود اس کی توجہ ہر چیز کی طرف سے ہٹ جاتی ہے اور کسی محفوظ گوشے کی جستجو شروع کر دیتی ہے۔ تم نے دیکھا ہوگا کہ مضطرب الحال بلی مکان کا ایک ایک کونہ دیکھتی پھرتی ہے۔ پھر وہ خود بخود ایک سب سے محفوظ اور علیحدہ گوشہ چھانٹ لیتی ہے اور وہاں بچہ دیتی ہے۔ پھر یکا یک اس کے اندر بچے کی حفاظت کی طرف سے ایک مجہول خطرہ پیدا ہو جاتا ہے، اور وہ یکے بعد دیگرے اپنی جگہ بدلتی رہتی ہے۔ غور کرو، یہ کون سی قوت ہے جو بلی کے اندر یہ خیال پیدا کر دیتی ہے کہ محفوظ جگہ تلاش کرے کیونکہ عنقریب ایسی جگہ کی اسے ضرورت ہوگی۔ یہ کون سا الہام ہے جو اسے خبردار کر دیتا ہے کہ بلا بچوں کا دشمن اور ان کی بو سونگھتا پھرتا ہے، اس لیے جگہ بدلتے رہنا چاہیے۔ بلاشبہ یہ ربوبیت الٰہی کی وجدانی ہدایت ہے جس کا الہام ہر مخلوق کے اندر اپنی نمود رکھتا ہے اور جوان پر زندگی اور پرورش کی تمام راہیں کھول دیتا ہے۔'' ❶

ہدایت کی مزید مثالیں:

اس سلسلہ میں اور بھی بے شمار مثالیں اس کائنات میں بکھری پڑی ہیں، چنانچہ امریکہ کے ایک نامور سائنس دان کریسی مورلیس (Cressy Morrison) نے ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام ہے Man Does not Stand alone۔ اس کا اردو ترجمہ مولانا صلاح الدین احمد نے ''خدا ہمارے ساتھ ہے'' کے نام سے کیا

❶ ترجمان القرآن: ۱/ ۴۵

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے۔ اس کتاب کے آٹھویں باب میں ''حیوانی جبلتیں'' کے عنوان سے بہت سے بصیرت افروز واقعات لکھے ہیں۔ موریسن نے لکھا ہے:

''مرغابیاں ہر موسم سرما میں شمالی برفستانوں سے پرواز کرتی اور پہاڑوں کی چوٹیوں پر سے اڑتی ہوئی ہمارے میدانوں میں پہنچ جاتی ہیں، اور ہماری جھیلوں اور تالابوں کے نیستانوں میں سردیاں بسر کر کے موسم بہار آتے ہی اپنے وطنوں کا رخ کر لیتی ہیں۔ اور کیا مجال کہ اس دور دراز سفر میں کہیں گز بھر بھی ادھر ادھر جائیں۔ کچھ یہی کیفیت پیغام رساں کبوتروں کی ہے۔ آپ ایسے کسی کبوتر کو پنجرے میں بند کر کے موٹر یا ریل کے ذریعے سینکڑوں میل دور لے جائیں۔ جب آپ اسے چھوڑیں گے تو وہ فضا میں دو چار چکر لگائے گا۔ گویا اندازہ کر رہا ہے کہ میں کہاں ہوں، اور پھر تیر کی طرح اپنے گھر کا رخ کرے گا اور سیدھا وہیں پہنچ جائے گا۔ یہ اس کی جبلت اور ہدایت وجدانی ہے، اور یہی چیز شہد کی مکھی کو اللہ تعالیٰ نے بخشی ہے کہ اپنے چھتے سے نکل کر دور دور تک پھولوں کے رس کی تلاش میں جاتی ہے اور سیدھا اپنے ٹھکانے پر لوٹ آتی ہے۔'' ❶

اس سلسلہ میں مصنف نے دو مثالیں اور پیش کی ہیں وہ بھی پڑھنے کے قابل ہیں۔

''سامن مچھلی سالہا سال سمندر میں بسر کرتی ہے، لیکن جب اس کے بعد وطن جانے کا وقت آتا ہے تو وہ کسی دریا کے دہانے کا رخ کرتی ہے ور اس کے تیز دھارے کا مقابلہ کرتی ہوئی برابر اوپر کی طرف بڑھتی چلی جاتی ہے، اور پھر صدہا میل کا سفر طے کر کے اس ندی کی طرف مڑ جاتی ہے جہاں وہ اصل میں پیدا ہوئی تھی۔ یہاں بھی دائیں کنارے کی متوطن سامن کبھی بائیں کنارے کی طرف نہیں جائے گی خواہ اس کے اپنے

❶ خدا ہمارے ساتھ ہے: ص ۵

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کنارے پر ہزاروں جال اور کنڈیاں کیوں نہ لگی ہوئی ہوں۔ جب کہ دوسرا کنارہ کسی قانون کے باعث ان بلاؤں سے محفوظ ہو۔ آخر وہ کیا چیز ہے جو سامن کو عین ٹھکانے پر لے جاتی ہے؟ اور بارہا یہ بات دیکھی گئی ہے کہ دریا کے الٹے رخ سفر کرتے ہوئے اگر یہ مچھلی کبھی غلطی سے کسی دوسری ندی کی طرف مڑ گئی ہے تو غلطی کا احساس ہوتے ہی وہ فوراً لوٹے گی اور صحیح موڑ آنے پر اپنی ندی ہی میں داخل ہو گی اور وہیں اپنی منزل مقصود اور مقدر معلوم تک پہنچے گی۔''

''ایل مچھلی (ELL) کا معاملہ اس سے بھی پیچیدہ تر اور حیرت زدہ ہے۔ یہ عجیب وغریب مخلوق دریاؤں اور اس کے کنارے کی جھیلوں میں شباب کو پہنچتی ہے اور پھر دین کے ہر مقام سے ایک ہی منزل یعنی جنوبی برمودا کا رخ کرتی ہے۔ یورپ سے برمودا کے جزائر ہزار ہا میل دور ہیں لیکن وہ طویل سفر ضرور طے کرے گی اور شمالی ملکوں سے جنوبی سمندروں کی لاانتہاء گہرائیوں میں پہنچے گی۔ یہاں پہلے وہ بچے دے گی اور پھر مر جائے گی۔ اور اس کے یہ بچے جو اردگرد بحرِ اوقیانوس کے خوف ناک ویرانیوں کے سوا کچھ نہیں پاتے' پھر سے ان ساحلوں کا رخ کر لیتے ہیں جہاں سے ان کے ماں باپ آئے تھے اور وہاں پہنچ کر اپنی ندی یا جھیل یا تال کی راہ پکڑ لیتے ہیں اور اپنے وطنوں کو جا آباد کرتے ہیں۔ یہاں تک پہنچنے میں نہ جانے وہ کتنے طوفانوں کو عبور کرتے' کتنے بھنوروں میں سے بچ کر آگے بڑھتے ہیں یہاں تک کہ وہ اپنی اس منزل پر پہنچ جاتے ہیں جس کی طرف محض ایک اشارہ غیب اور ہدایت وجدانی ان کی راہنمائی کرتی ہے .....

لیکن کوئی امریکی ایل کبھی یورپ کے سمندروں میں نہیں پائی گئی اور نہ کوئی یورپی ایل کبھی امریکی پانیوں میں نظر آئی۔ یہ دونوں نسلیں برمودا میں ضرور جمع ہوتی ہیں' لیکن جب ان کے بچے وہاں سے لوٹتے ہیں تو تیر کی طرح اپنے ہی نشانے پر پہنچتے ہیں''۔ ❶

یہی مصنف اپنے ایک اور مضمون میں لکھتا ہے:

''ایک بھڑ ایک ٹڈی کو اپنے ڈنگ سے بے بس کر لیتی ہے۔ پھر زمین

❶ خدا ہمارے ساتھ ہے: ص ۸۵۔۸۷

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں ایک سوراخ کھودتی ہے۔ ٹڈی کو ٹھیک جگہ پر ڈنگ مارتی ہے تاکہ وہ بیہوش تو ہو جائے لیکن مر نہ جائے اور محفوظ گوشت کی صورت میں زندہ رہے۔ پھر بھڑ سلیقے کے ساتھ انڈے دیتی ہے تاکہ اس کے بچے انڈوں سے نکل آئیں تو ٹڈے کو مارے بغیر اسے کھا سکیں۔ ان کے واسطے مرے ہوئے ٹڈے کا گوشت مہلک ہوتا ہے۔ پھر ماں وہاں سے اڑ جاتی ہے، اور باہر جا کر مر جاتی ہے اور واپس آ کر کبھی اپنے بچوں کو نہیں دیکھتی۔ یہ پراسرار ترکیبیں سیکھنے سکھانے سے نہیں آتیں بلکہ یہ فطرت میں سمو دی جاتی ہیں اور اس کو قرآن کی اصطلاح میں ''ہدایت'' کہا گیا ہے۔''

ان مثالوں کے علاوہ اور بھی بے شمار مثالیں دی جا سکتی ہیں لیکن ان کو طوالت کی وجہ سے نظر انداز کیا جاتا ہے۔ یہ ہیں تکوین وجود کے مراتب اربعہ۔ اللہ تعالیٰ کی ربوبیت نے جس طرح مخلوقات کو ان کے مناسب حال جسم وقویٰ دیئے اسی طرح ان کی ہدایت کا فطری سامان بھی مہیا کر دیا۔ فطرت کی یہی وہ ہدایت ہے جو ہر وجود کو زندگی اور معیشت کی راہ پر لگاتی اور ضروریات زندگی کی جستجو میں راہ نما ہوتی ہے۔ قرآن حکیم نے جا بجا اس حقیقت پر توجہ دلائی ہے کہ ہر وجود کے بننے اور درجہ تکمیل تک پہنچنے کے مختلف مراتب ہیں اور ان میں آخری مرتبہ ''ہدایت'' کا مرتبہ ہے۔ جس کو سورۃ الاعلیٰ میں یوں بیان فرمایا:

﴿الَّذِیْ خَلَقَ فَسَوّٰی O وَالَّذِیْ قَدَّرَ فَهَدٰی﴾ ❶

''وہ پروردگار جس نے ہر چیز پیدا کی، پھر اسے درست کیا، پھر ایک اندازہ ٹھہرا دیا، پھر اس پر راہ (عمل) کھول دی۔''

تکوین وجود کے مراتب:

یعنی تخلیق، تسویہ، تقدیر اور ہدایت۔ یہ تکوین وجود کے چار مراتب ہیں۔

(۱) تخلیق کے معنی پیدا کرنے کے ہیں۔ یہ بات کائنات کی خلقت اور اس

❶ الاعلیٰ: ۲۔۳

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے ہر وجود کا مواد عدم سے وجود میں آ گیا۔

(۲) تسویہ کے معنی ہیں کہ ہر ایک کو جس طرح ہونا چاہیے، ٹھیک ٹھیک اسی طرح درست اور آراستہ کر دینا۔

(۳) تقدیر کے معنی اندازہ ٹھہرا دینے کے ہیں جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے۔

(۴) ہدایت سے مقصود یہ ہے کہ وجود پر اس کی زندگی و معیشت کی راہ کھول دی جائے۔

تکوین وجود کے ان مراتب اربعہ کو سائنس کی اصطلاح میں بیالوجی (Biology) کہتے ہیں اور آج یہ سائنس کا ایک بہت بڑا حصہ ہے۔ حیاتیات (Biology) کی پھر دو بڑی شاخیں ہیں:

حیاتیات کی دو شاخیں:

علم نباتات (Botany)

علم حیوانات (Zoology)

پھر ان میں سے ہر ایک کی کئی شاخیں ہیں جن کا اس وقت بیان کرنا ہمارا مقصود نہیں ہے۔ بہر حال بیالوجی کا مطلب ہے The Seience of Life یعنی زندگی کا علم۔ اور زندگی کے اسی علم سے پھر کئی طریقوں سے بحث کی جاتی ہے۔ یہاں آخر میں یہ بھی بتا دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ سائنس ہے کیا چیز؟ یہاں یہ بات ذہن میں رہے کہ قرآن حکیم میں جو بات نظری طور پر کی گئی ہے کائنات اس کے حق میں واقعاتی دلیل ہے۔ اس اعتبار سے پوری سائنس قرآن حکیم کا علم کلام ہے کیونکہ سائنس کسی سائنس دان کے خود ساختہ علم کا نام نہیں بلکہ وہ خدا کی کائنات میں کام کرنے والے قوانین کی تلاش اور انکشاف کا نام ہے۔ ان قوانین کا جو حصہ بھی سائنس دریافت کرتی ہے وہ اللہ تعالیٰ کی کارروائیوں کی ایک جھلک ہوتی ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں (آیات) میں سے ایک نشانی کا انسانی علم میں آنا ہوتا ہے۔ ایک سائنس دان کے لیے سائنس کا علم برائے تعمیر دنیا یا برائے تخریب دنیا ہوتا ہے جب کہ ایک مومن کے لیے سائنس ایک ایسا علمی ہتھیار ہے جس سے وہ اپنی بات کو

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مدلل کر کے لوگوں کے سامنے پیش کرتا ہے۔

قرآن کائنات میں تدبر وتفکر کی دعوت دیتا ہے:

قرآن حکیم نے اپنی مختلف آیات میں کائنات میں فطرت کی جو قوتیں کار فرما ہیں، انسان کو اس سے روشناس کرایا اور انسان کو اصول فطرت سے آشنائی بخشی۔ قرآن نے تفقہ، تدبر، تفکر اور تعقل کی دعوت دی۔ اس طریقہ سے قرآن نے انسان کے ہاتھ میں قدرت کے خزانے کی چابی سونپ دی۔ چنانچہ اس سلسلہ میں ایک یورپی مفکر لکھتا ہے کہ:

''ساتویں صدی عیسوی میں دنیا ایک نہایت مصیبت سے دو چار تھی بلکہ بادشاہوں کے جبر وستم سے کراہ رہی تھی۔ عربوں کی فتوحات نے ان میں ایک نیا ولولہ اور نیا خون داخل (Infused) کیا ..... محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے عربوں کو قرآن دیا جو نئے کلچر کا نقطۂ آغاز تھا۔ ❶

انسانی ترقی کا نقطۂ آغاز:

انسانی ترقی کا نقطۂ آغاز فطرت کی قوتوں کو انسان کی ضروریات کے تحت کرنا ہے اور اسلام سب سے پہلا مذہب ہے جس نے سائنسی علوم کا انکشاف کیا۔ اسلام کے ایک مسئلہ توحید نے فطرت کے ان تمام مظاہر کو مسخر کیا کیونکہ شرک عالم فطرت پر تحقیق کرنے میں مانع تھا شرک کے عقیدہ کے تحت مظاہر فطرت پوجنے کی چیز بنے ہوئے تھے نہ کہ تحقیق کی چیز۔ مشرک انسان آفتاب و ماہتاب کو دیوتا سمجھتا تھا اس وجہ سے وہ کسی صورت بھی اس کو اپنی تحقیق کا ہدف نہیں بنانا چاہتا تھا، لیکن جب دنیا میں توحید کا غلبہ ہوا تو مسلمانوں نے ان مظاہر فطرت پر تحقیق شروع کی اور سائنس وجود میں آئی۔ اس میں شک وشبہ نہیں کہ اسلام اس لیے نہیں آیا کہ دنیا کو سائنس دے لیکن اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ اگر اسلام نہ آتا تو سائنسی ترقیوں کا

❶ Itanislas Guyard: Encyclopedie des Science Religions, 501

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دروازہ انسان پر نہ کھلتا۔

موجودہ سائنس کی بنیاد قرآن حکیم ہے:

گذشتہ سطور میں اختصار کے ساتھ یہ بتایا گیا کہ موجودہ سائنس خواہ اس کا تعلق حیوانات سے ہو یا نباتات سے' کیمسٹری سے ہو یا فزکس سے، اس کی اصل اور بنیاد قرآن حکیم ہے اور قرآن حکیم نے اس کے مبادیات اور اصول وضوابط اپنی مختلف آیات میں ذکر کیے ہیں جن کو ایک ماہر فن بخوبی جان سکتا ہے۔ ویسے بھی اگر تاریخ کا مطالعہ کیا جائے تو سائنس اس فکری انقلاب کے نتیجہ میں پیدا ہوئی جو اسلام کی توحید کی بنیاد پر واقع ہوا۔ اس ذہن کا آغاز اموی دور میں دمشق میں ہوا اور اسلام میں سب سے پہلا سائنس دان خالد بن یزید بن معاویہ اموی ہے جس نے کیمسٹری کو ایک طبعی علم کی حیثیت سے ترقی دینے کی کوشش کی۔ پھر عباسی دور میں اس شعبہ نے بغداد میں عروج حاصل کیا۔

خلیفہ المامون کے زمانے میں بیت الحکمت کا قیام:

چنانچہ عباسی خلیفہ المامون کے زمانہ میں بغداد میں بیت الحکمت قائم ہوا جس نے سائنس کے مختلف شعبوں میں تحقیق کے فرائض انجام دیئے۔ المامون خود بھی ایک بہت بڑا عالم تھا۔ اس زمانہ میں اس وقت کے ہیئت اور جغرافیہ کے عالموں نے زمین کا گول ہونا ثابت کیا اور زمین کے محیط کو معلوم کیا جو کہ ۲۰۴۰۱ میل تھا جب موجود زمانہ میں اس کی صحیح ترین پیائش ۲۵ ہزار میل ہے۔ مسلمانوں نے قرون وسطیٰ میں سائنس کے کس کس میدان میں ترقی کی، اس کے لیے ملاحظہ ہو پروفیسر ہٹی کی کتاب تاریخ عرب (History of The Arals) اور حکیم محمود احمد ظفر کی کتاب اسلام اینڈ سائنس (Islam and Science)

بغداد سے سائنس کا یہ علم منتقل ہو کر اندلس یعنی اسپین میں گیا اور وہاں کی مسلمان حکومتوں کی سرپرستی میں اس علم نے دن دگنی رات چوگنی ترقی کی یہاں تک کہ سولھویں صدی عیسوی تک مسلمان علم کے اس میدان میں استادی کے مقام پر

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رہے۔لیکن اس کے بعد یورپ نے سائنس میں جو ترقیاں کیں اس نے مسلمانوں کو شاگردی کے مقام پر پہنچا دیا۔خود مغربی علماء اور دانشوروں نے یہ تسلیم کیا ہے کہ جس وقت یورپ غفلت کی نیند سو رہا تھا، اسلامی ممالک اس وقت جاگ رہے تھے اور سائنسی علوم کی روشنی میں ترقی کی راہ میں تیز تیز منزلیں طے کر رہے تھے۔ چنانچہ یورپ کا ایک مصنف ہرن شا(Hearnshaw) نے لکھا ہے:

''دسویں صدی عیسوی اور اس کے مابعد زمانہ میں یورپ کے لوگوں کا تعلق مشرق کی فردست سے ہو جاتا ہے۔ان صدیوں میں جو نسبت آج مشرق اور مغرب کی ہے ہم اس کے برخلاف پاتے ہیں۔ ہمارے زمانے میں اکثر مشرقی اقوام مغربی تمدن کی قدر و قیمت کا اعتراف کرتی ہیں اور اس کا اظہار تہ دل سے نہایت خوشامدانہ طریقہ سے کرتی ہیں۔مشرق کا باشندہ اس بات کو تسلیم کرتا ہے کہ سائنس، علم، حکمت، تنظیم اور پبلک اسپرٹ مغرب میں پائی جاتی ہے۔دسویں، گیارھویں اور بارھویں صدی عیسوی کے یورپ میں صورت حال اس سے بالکل مختلف تھی۔مغرب کے باشندے کو یہ اچھی طرح معلوم تھا کہ اسلام کے پاس معارف اور عہد قدیم کی سائنس ہے۔اسلام کے اسلحہ اور نظم و نسق کی فضیلت و عظمت پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی تھی۔'' ❶

مسلمانوں سے تعلق پیدا ہونے سے قبل یورپ کی حالت:

مسلمانوں سے ربط و تعلق پیدا ہونے سے قبل یورپ کی حالت کیا تھی؟ اس کا جواب یہی ہے کہ نہایت ناگفتہ بہ تھی، وہی وحشیانہ زندگی، وہی جنگلی طریق رہائش، نہ تمدن کا نام اور نہ تہذیب کا اثر۔ چنانچہ یورپ کے ایک نامور دانشور ڈریپر (Draper) نے اس حالت کا کچھ نقشہ اپنے الفاظ میں کھینچا ہے۔ وہ لکھتا ہے:

''یورپ کے وحشی باشندے ابھی اپنی وحشیانہ حالت سے ذرا بھی بلند نہ

❶ Hearnshaw: uediaeval coutributions to modern civilization

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہوئے تھے۔ ان کے بدن غلیظ، ان کے ضمیر غیر متمدن۔ وہ ایسی جھونپڑیوں میں رہتے تھے کہ اگر ان کے فرش پر گھاس اُگ رہی ہو اور دیواروں پر پھوس کی چٹائیاں لگی ہوئی ہوں تو یہ بات ثروت کی علامت سمجھی جاتی تھی۔ ان کی خوراک حقیر سی تھی مثلاً سیم، آڑو، جڑیں اور درختوں کی چھالیں بھی وہ کھانے میں استعمال کرتے تھے۔ ان کا لباس کیا تھا؟ جانوروں کا کچا چمڑا، بہت ہوا تو پکائی ہوئی (Tanned) کھالیں پہن لیں۔ پائیداری میں ہوسکتا ہے کہ کھالوں کو دوامی حیثیت حاصل ہو مگر ذاتی پاکیزگی میں یہ کسی طرح بھی مدد ومعاون نہیں ہوسکتیں۔ شاہی شوکت کے لحاظ کے اظہار کے لیے یہ کافی سمجھا جاتا تھا کہ بادشاہ کی سواری ایک بیل گاڑی پر مشتمل ہو جس کے سامنے بیلوں کی کم ازکم دو جوڑیاں لگی ہوں۔ ان بیلوں کی رفتار تیز کرنے کے لیے غلام آنکس لیے پیادہ پا ساتھ چلتے تھے جن کی ٹانگوں پر پرال کے پولے بندھے ہوئے ہوتے تھے۔ ان لوگوں کا ایمان درگاہوں کے معجزوں کی بے سروپا داستانوں اور لغو تبرکات میں بہت پختہ تھا۔ مذہب میں ابتذال پیدا ہو چکا تھا۔ ہوس پرست مذہبی راہ نما حب جاہ کی تلاش میں بحث مباحثوں میں مصروف رہتے تھے۔'' ❶

اہل یورپ پر رہبانیت کا غلبہ:

یہ تو ان کی تمدنی اور تہذیبی گراوٹ تھی جس کو ڈریپر کے حوالہ سے ٹاؤنر نے بیان کیا ہے۔ پھر اس زمانہ میں رہبانیت نے ان پر اتنا غلبہ حاصل کیا ہوا تھا کہ آج اس کا تصور کرتے بھی رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ ان کی رہبانیت کا کچھ نقشہ لیکی (Lecky) نے اپنی کتاب تاریخ اخلاق یورپ: (History of European Morals) میں پیش کیا ہے۔

❶ Towner? The Philosophy of civilization, Vol.1, P.117

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

''راہبوں اور زاہدوں کی مجموعی تعداد مورخین کے اختلاف بیان کی وجہ سے قطعی طور پر نہیں بتائی جا سکتی، تاہم ان کی کثرت اور تحریک رہبانیت کی اشاعت ومقبولیت کا اندازہ اعداد ذیل سے ہوسکتا ہے۔ سینٹ جروم کے زمانہ میں ایسٹر کی تقریب پر تقریباً پچاس ہزار راہبوں کا مجمع ہوتا تھا۔ چوتھی صدی میں صرف ایک راہب کی ماتحتی میں پانچ ہزار راہب تھے سینٹ سراپین کی ماتحتی میں دس ہزار راہب تھے۔ اور چوتھی صدی کے خاتمہ پر تو یہ حالت ہوگئی تھی کہ جتنی خود مصر کے شہریوں کی آبادی تھی، قریباً اسی قدر ان زاہدوں اور راہبوں کی تھی۔ دو چار سال نہیں پورے دو سو سال تک جسم کشی منتہائے اخلاق سمجھی جاتی رہی۔ مورخین نے اس کی بڑی لرزہ خیز داستانیں اور مثالیں پیش کی ہیں۔ سینٹ میکیریس اسکندروی کی بابت مشہور ہے کہ وہ چھ ماہ تک برابر ایک دلدل میں سویا تا کہ ان کے برہنہ جسم کو زہریلی مکھیاں ڈسیں۔ نیز یہ کہ یہ ہمیشہ ایک من لوہے کا وزن لادے رہتے تھے، اور تین سال تک ایک خشک کنوئیں کے اندر مقیم رہے۔ ایک مشہور راہب یوحنا کے متعلق منقول ہے کہ وہ متصل تین سال تک کھڑے ہوئے عبادت کرتے رہے۔ اس مدت میں ایک لمحہ کے لیے بھی نہ بیٹھے نہ لیٹے۔ جب بہت تھک جاتے تو چٹان پر اپنے جسم کو سہارا دے لیتے۔ بعض راہب کسی قسم کا لباس نہیں استعمال کرتے تھے۔ ستر پوشی کا کام اپنے جسم کے بڑے بالوں سے لیتے تھے اور چوپایوں کی طرح ہاتھ پاؤں کے بل چلتے تھے۔ راہبوں کے مسکن علی العموم اس وقت مکانات نہیں ہوتے تھے بلکہ وحشی درندوں کے غار، خشک کنویں یا قبرستان ہوتے تھے۔ اہل زہد کا ایک گروہ صرف گھاس کھاتا تھا۔ جسم کی طہارت روح کی پاکیزگی کے منافی سمجھی جاتی تھی، اور جو زاہد مرتبہ زہد میں جتنی زیادہ ترقی کرتے جاتے تھے اسی قدر وہ مجسمۂ عفونت وغلاظت ہوتے۔ سینٹ اتھینیس نہایت فخر سے بیان کرتا تھا کہ سینٹ انتونی [illegible] کبھی مدت

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

العمر اپنے پاؤں دھونے کے گناہ کا مرتکب نہیں ہوا۔ سینٹ ابراہام نے پچاس سالہ مسیحی زندگی میں اپنے چہرہ یا پاؤں پر پانی کی چھینٹیں نہیں پڑنے دی۔ راہب الیگزنڈر بڑے تاسف اور تحیر سے فرماتے ہیں کہ ایک وہ زمانہ تھا جب ہمارے اسلاف منہ دھونا حرام سمجھتے تھے اور ایک ہم لوگ ہیں کہ حمام جایا کرتے ہیں۔ راہب معلموں کا بھیس بدلے ہوئے پھرتے تھے اور بچوں کو پھسلا پھسلا کر اپنے حلقہ میں شامل کرتے تھے۔ والدین کا اپنی اولاد پر کوئی اختیار نہیں رہ گیا تھا۔ جو اولاد انہیں چھوڑ کر تارک الدنیا ہو جاتی تھی، اس کے نام پر پبلک میں ہر طرف واہ واہ ہوتی اور تحسین کے ڈونگرے برسائے جاتے تھے۔ پہلے جو اثر و اقتدار بزرگ خاندان یا والد کو حاصل ہوتا تھا وہ اب پادریوں اور راہبوں کی طرف منتقل ہو گیا۔ پادری رہبانیت کے لیے لڑکوں کو اغوا کرتے تھے۔ سینٹ ایمبروز میں اس قسم کے اغوا کی قوت اتنی بڑھی ہوئی تھی کہ اسے دیکھ کر مائیں اپنے بچوں کو گھر کے اندر بند کر لیتی تھیں۔ تحریک رہبانیت کا اخلاقی نتیجہ یہ ہوا کہ جتنے کمالات مردانگی اور جواں مردی سے متعلق ہیں وہ سب یکسر معیوب قرار پا گئے، مثلاً زندہ دلی، خوش طبعی، صاف گوئی، فیاضی، شجاعت و جرأت کہ عابدان مرتاض کبھی ان کے قریب بھی ہو کر نہیں گزرے تھے۔ دوسرا اہم نتیجہ رہبانی طرز معاشرت کا یہ ہوا کہ خانگی زندگی کی بنیادیں متزلزل ہو گئیں اور دلوں سے اعزاء کا احترام و ادب حرف غلط کی طرح مٹ گیا۔ اس زمانہ میں ماں باپ کے ساتھ احسان فراموشی اور اعزاء کے ساتھ قساوت قلبی کی جس کثرت سے نظیر ملتی ہیں، اس کا اندازہ کرنا مشکل ہے۔ یہ زاہدانِ صحرا اور عابدانِ مرتاض اپنی ماؤں کی دل شکنی کرتے تھے۔ بیویوں کے حقوق کی پامالی کرتے تھے اور اپنی اولاد کو یہ دغا دیتے تھے کہ انہیں بے والی وارث محض دوسروں کے ٹکڑوں کے رحم پر چھوڑ دیتے تھے۔ ان کا مقصد زندگی تمام تر یہ ہوتا تھا کہ خود انہیں نجات اخروی

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حاصل ہو۔ انہیں اس سے کوئی غرض نہ تھی کہ ان کے متعلقین اور متوسلین جئیں یا مریں۔ لیکی (Lecky) نے اس سلسلہ میں جو واقعات لکھے ہیں ان کو پڑھ کر آج بھی آنکھیں نمناک ہو جاتی ہیں۔ عورتوں کے سایہ سے وہ بھاگتے تھے۔ ان کا سایہ پڑ جانے سے اور راستہ گلی میں اتفاقاً سامنا ہو جانے سے وہ سمجھتے تھے کہ ساری عمر کی زہد و ریاضت کی کمائی خاک میں مل جاتی ہے۔ اپنی ماؤں، بیویوں اور حقیقی بہنوں سے بات کرنا بھی وہ معصیت کبیرہ سمجھتے تھے۔ لیکی (Lecky) نے اس سلسلہ کے جو واقعات لکھے ہیں ان کو پڑھ کبھی ہنسی آتی ہے تو کبھی رونا۔'' ❶

یورپ کا اخلاقی انحطاط:

ایک طرف تو زہد اور رہبانیت تھی جو صحراؤں میں گوشہ نشین تھی اور شہری زندگی میں ان کا کوئی اقتدار نہ تھا لیکن اس کے برعکس فسق و فجور کی تحریک شہروں میں اپنے پورے جوش و تلاطم پر تھی۔ لیکی (Lecky) اس اخلاقی انحطاط کی تصویر ان الفاظ میں کھینچتا ہے:

''اخلاق میں انحطاط، رکاکت اور پستی حد درجہ سرایت کر گئی تھی۔ دربار کی عیش پرستیاں، ارکان دربار کی غلام طینتی اور ملبوسات و زیورات کی تزئین و آرائش اپنے شباب پر تھی۔ دنیا اس وقت انتہائی رہبانیت اور انتہائی بدکاری کے تھپیڑوں کے درمیان جھونکے کھا رہی تھی، بلکہ بعض شہروں میں جن میں سب سے زیادہ کثیر تعداد میں زہاد اور راہبین پیدا ہوئے تھے، وہ وہی تھے جن میں عیش پرستی اور بدچلنی کی سب سے زیادہ گرم بازاری تھی۔ غرض بدکاری اور توہم پرستی کا ایسا اجتماع ہو گیا تھا جو انسان کی شرافت و عظمت کا قطعی دشمن ہے۔ جمہور کی رائے اس قدر ضعیف ہو گئی تھی کہ لوگوں کو بدنامی اور رسوائی کا مطلق خوف نہیں باقی رہا تھا، البتہ ضمیر کو

❶ ماذا خسر العالم بانحطاط المسلمین لابی الحسن علی الندوی: ص ۱۱۰

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مذہب کا دھڑکا ہو سکتا تھا لیکن اسے بھی اس اعتقاد نے مٹا دیا تھا کہ دعاؤں وغیرہ کے ذریعہ سے سارے گناہ معاف ہو سکتے ہیں۔ مکاری، دغابازی، دروغ گوئی کی وہ گرم بازاری تھی جو قیاصرہ کے زمانہ میں بھی نہ تھی۔ البتہ ظلم وتشدد، شقاوت اور بے حیائی اتنی نہ تھی لیکن اس کے ساتھ حریت فکر، آزاد خیالی اور جوش قومیت میں بھی کمی تھی۔'' ❶

حکومت اور کلیسا کی کشمکش:

ان تمام خرابیوں کے ساتھ ساتھ گیارہویں صدی عیسوی میں حکومت اور کلیسا کی کشمکش شروع ہوگئی اور اس نے دیکھتے ہی دیکھتے بڑی شدت اختیار کر لی۔ شروع میں تو پوپ کو ایک جنگ میں فتح ہوئی اور پوپ کا اعزاز واقتدار اس قدر بڑھ گیا کہ بادشاہ ہنسری چہارم ۱۰۷۷ء میں اس بات پر مجبور ہو گیا کہ کانوسا کے قلعہ میں پوپ کے حضور میں حاضر ہو۔ چنانچہ وہ نہایت ذلت کے ساتھ حاضر ہوا۔ پوپ نے بڑی مشکل سے لوگوں کی سفارش پر اس کو اپنے سامنے کھڑے ہونے کی اجازت دی اور شہنشاہ ننگے پاؤں اون پہنے ہوئے آیا پوپ کے ہاتھ پر توبہ کی اور پوپ نے بصد مشکل اس کی غلطی معاف کی۔ اس کے بعد حکومت اور کلیسا کی آویزش میں کبھی پوپ کو فتح اور کبھی شکست ہوئی۔ یہاں تک کہ انجام کار حکومت کے مقابلہ میں کلیسا کو دبنا پڑا۔ اس پوری مدت کشمکش میں عوام مذہب وسیاست اور کلیسا و ریاست کی دہری غلامی میں گرفتار تھے۔

تمام علوم کی بنیاد مسلمان ہی ہیں:

عیسائی دنیا اور یورپ کی حالت کا یہ ایک مختصر سا نقشہ پیش کیا گیا ہے۔ دوسری طرف اسلامی شوکت وتہذیب کی حالت دیدنی تھی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ آٹھویں صدی عیسوی سے لے کر چودھویں صدی تک مسلمانوں نے مختلف علوم و معارف کے میدان میں قدم بہت آگے بڑھائے۔ قدیم علوم کو پڑھا، سیکھا اور سمجھا،

❶ تاریخ اخلاق یورپ: ۲/۱۰۴

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تصنیف کیا، تجربات کیے اور پھر ان سے نئی اختراعات پیدا کیں۔ اس کے بعد تازہ ایجادات کا زمانہ آیا۔ اسلامی اسپین کے دماغوں نے علوم وفنون کو کہاں سے کہاں پہنچا دیا، بلاخوف تردید یہ کہا جا سکتا ہے کہ اگر خدانخواستہ عہد قدیم اور عہد جدید کے درمیان عہد اسلامی کی کڑی نہ آ جاتی تو دور حاضر میں اس ترقی کا موجود ہونا، جو ہم آج دیکھتے ہیں، ناممکن تھا۔ مسلمانوں نے نہ صرف قدیم علوم ہی کو پروان چڑھایا اور انہیں فنا ہونے سے بچا لیا بلکہ ان کو صیقل کیا، ان میں نئی نئی اختراعیں کیں اور آنے والی نسلوں کے سپرد اس تمام علم کے ذخیرے کو کر دیا جس کے سبب سے موجودہ نسلیں اس ترقی کی معراج تک پہنچ سکیں۔

حصول علم کے لیے اہل یورپ کا مسلم یونیورسٹیوں کا رخ:

پیشتر اس کے کہ ہم یہ بتائیں کہ یورپ میں یہ اسلامی علوم ومعارف کیسے پہنچے۔ ہم یہ بتانا بھی ضروری سمجھتے ہیں کہ اسپین اور یورپ کے دوسرے ممالک کے مابین جب لوگوں کی آمد ورفت کا تبادلہ ہوا اور یورپ کے لوگ اسپین کے مسلمانوں کی ذہنی حریت اور ان کے علوم وفنون سے آشنا ہوئے تو ان میں بھی حریت فکر کا جنون پیدا ہوا بلکہ جس طرح آج ہم یورپ اور امریکہ کی یونیورسٹیوں میں تعلیم حاصل کرنے کے لیے جاتے ہیں، اس زمانے میں یورپ کے لوگوں نے غرناطہ، قرطبہ اور اشبیلیہ کی یونیورسٹیوں میں چوری چھپے تعلیم حاصل کرنے کے لیے جانا شروع کیا۔ چوری چھپے اس لیے کہ پادری صاحبان اور ارباب کلیسا نہیں چاہتے تھے کہ یہ لوگ علم وفن کی وادیوں میں گامزن ہوں اور عقل وشعور کے جذبات ان میں ابھریں، لیکن انسانی جذبات کو بزور کب تک دبایا جا سکتا ہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ چند سالوں میں یورپ میں عقلیت کا کوہ آتش فشاں پھٹ گیا۔ علماء طبیعات اور محققین تقلید کی زنجیریں توڑ چکے تھے اور ارباب کلیسا کے بے اصل نظریات کی تردید کرنی شروع کر دی۔ مارٹن لوتھر (Martin Luther) کی پروٹسٹنٹ کی تحریک بھی اسپین سے حاصل کردہ حریت فکر کی وجہ سے تھی کیونکہ یہ بھی قرطبہ کی یونیورسٹی سے پڑھ کر

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آیا تھا۔

سائنسی علوم سیکھنے والوں کے ساتھ اہل کلیسا کے مظالم:

نتیجہ یہ ہوا کہ یورپ کے جن لوگوں کو اسپین کی مسلم دنیا کے علم وفن کی ہوا لگی انہوں نے اہل کلیسا کے بے اصل اور بے بنیاد نظریات کی تردید کرنی شروع کر دی جو جغرافیہ اور تاریخ اور طبیعات سے متعلق ان کی مذہبی کتابوں میں پائے جاتے تھے، اور بڑی جرأت، جسارت اور آزادی کے ساتھ ان کی علمی تنقید اور بے سمجھے ان پر ایمان لانے سے صاف انکار کر دیا۔ اس کے ساتھ انہوں نے اپنے علمی انکشافات اور تجربوں کا بھی اعلان کر دیا۔ ان کا یہ اعلان کرنا تھا کہ مذہبی حلقوں اور ارباب کلیسا نے جو اس وقت اقتدار اور طاقت کے مالک تھے، ان کی تکفیر کی اور دین مسیحی کے لیے ان کے خون بہانے اور ان کے مال ومتاع کو ضبط کر لینے کی اجازت دی۔ پورے یورپ میں احتساب کی عدالتیں قائم ہو گئیں جو پوپ کے بقول ان ملحدوں اور مرتدین کو سزا دیں جو شہروں، گھروں، تہ خانوں، جنگلوں، غاروں اور کھیتوں میں پھیلے ہوئے ہیں۔ ان عدالتوں نے اپنا فریضہ پوری سرگرمی اور مستعدی سے انجام دیا۔ اس کے جاسوس براعظم کے طول وعرض میں پھیلے ہوئے تھے اور اس بارہ میں محکمہ احتساب نے تفتیش اور تجسس میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا۔ ایک عیسائی عالم کہتا ہے کہ ''ناممکن ہے کہ کوئی شخص عیسائی بھی ہو اور وہ بستر پر جان دے۔ اندازہ کیا جاتا ہے کہ اس محکمہ نے جن لوگوں کو سزا دی ان کی تعداد تین لاکھ سے کم نہیں جن میں سے ۳۲ ہزار کو زندہ جلایا گیا۔ ❶

ان زندہ جلائے جانے والے لوگوں میں ہیئت وطبیعات کا مشہور عالم برونو (Brunoe) بھی ہے جس کا سب سے بڑا جرم کلیسا کے نزدیک یہ تھا کہ وہ اس کرۂ ارض کے علاوہ دوسری دنیاؤں اور آبادیوں کا بھی قائل تھا۔ محکمۂ احتساب کے حکام نے اسے اس سفارش کے ساتھ دنیوی حکام کے سپرد کر دیا کہ اسے نہایت نرمی

❶ T.W.Draper: A History of The Intellectual Development of Europe. Vol.1

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سے سزا دی جائے اور یہ خیال رکھا جائے کہ اس کے خون کا ایک قطرہ بھی نہ گرنے پائے۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ اس کو زندہ جلا دیا جائے۔ اسی طرح مشہور طبیعی عالم گلیلیو (Galileo) کو بھی اس بنا پر موت کی سزا دی گئی کہ وہ سورج کے گرد زمین کے گھومنے کا قائل تھا۔ بعض روایات میں ہے کہ اہل کلیسا نے پہلے اسے مجبور کیا کہ وہ اپنے اس عقیدہ سے توبہ کرے۔ چنانچہ اس نے ان الفاظ میں توبہ کی

"I, Galileo, Being in my Seventieth Year, being a prisoner on my Knees befor Your eminences, having before my eyes the Holy Gospel, abjure, curse and detest the error and the heresy of the movement of the Earth"

لیکن اس توبہ نامہ کے باوجود بھی اس کو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔

گلیلیو کو گردش زمین کے اس عقیدہ پر کیوں سزا دی گئی؟ وجہ یہ تھی کہ اس کا یہ عقیدہ مسیحیت کے خلاف تھا۔ قدیم یونان میں زمین اور سورج کی گردش کے بارہ میں دو نظریے پیش کیے گئے تھے۔ ایک نظریہ ارسٹارکس کا نظریہ تھا جس مین زمین کو سورج کے گرد گھومتا ہوا بتایا گیا تھا۔ دوسرا نظریہ ٹالمی کا نظریہ تھا جس کے مطابق سورج زمین کے گرد گھوم رہا تھا۔ ارسٹارکس کے نظریہ کے مطابق زمین بظاہر گول تھی اور دوسرے نظریہ کے مطابق زمین چپٹی تصور کی گئی تھی۔ تیسری صدی عیسوی میں جب قسطنطین نے عیسائیت قبول کی اور عیسائیوں کو یورپ میں غلبہ حاصل ہوا تو انہوں نے ٹالمی کے نظریہ کی سرپرستی کی جس میں سورج زمین کے گرد گھومتا تھا اور دوسرے نظریہ کو بزور دبایا۔ وجہ اس کی یہ تھی کہ عیسائیت نے سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کو خدا فرض کر لیا تھا اور اس عقیدہ کے مطابق زمین کو یہ تقدس حاصل تھا کہ وہ خدا کی جنم بھومی ہے، اور جو کرہ خدا کی جنم بھومی میں ہو وہ کسی دوسرے کرہ کا تابع (Satellite) کس طرح ہو سکتا ہے۔ چنانچہ ٹالمی کے اس نظریہ کو مذہب کا ایک حصہ بنا دیا تھا۔ گلیلیو نے چونکہ اس کے خلاف نظریہ پیش کیا تھا لہٰذا مذہب کا مخالف اور ملحد سمجھتے ہوئے اسے موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔ مذہب اور سائنس کے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

درمیان ٹکراؤ کے لیے ملاحظہ ہو ڈریپر کی کتاب ''مذہب اور سائنس کا تصادم''

اہل کلیسا اور روشن خیال لوگوں میں تصادم:

اہل کلیسا کے اس ظلم و تشدد نے ان دانشوروں اور روشن خیال لوگوں کے پیمانہ صبر کو لبریز کر دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ انہوں نے نہ صرف اہل کلیسا بلکہ مذہب کے خلاف ہی علم بغاوت بلند کر دیا۔ اس جذبۂ بغاوت نے بعد میں علم و دین کی باہمی جنگ کی صورت اختیار کر لی۔ اور علوم و عقلیت کے علم برداروں نے اپنے طور پر یہ طے کر لیا کہ علم و مذہب ایک دوسرے کی ضد اور حریف ہیں جو کبھی بھی جمع نہیں ہو سکتے۔ چنانچہ ان لوگوں کے سامنے جب بھی مذہب کا نام آتا تو دفعتاً اہل کلیسا اور مذہب کے علم برداروں کے لرزہ خیز مظالم کی یاد تازہ ہو جاتی اور ان بے گناہ علماء اور روشن خیال لوگوں کی صورتیں ان کی آنکھوں میں پھر جاتیں جنہوں نے انتہائی مظلومیت کی حالت میں مذہب کے ان جلادوں کے ہاتھوں پر اذیت موت پائی۔ مذہبی گروہ اور اہل کلیسا کے نام سے ان کی نگاہوں کے سامنے پر غضب چہرے، چڑھی ہوئی تیوریاں، شعلے برساتی ہوئی آنکھیں، تنگ ذہن اور پادریوں کے بھدے دماغ آتے۔ چنانچہ مذہب سے نفرت کو انہوں نے اپنی زندگی کا ایک اصول بنا لیا اور آنے والی نسلوں کے لیے بھی نفرت و حقارت اور کراہیت و ناپسندیدگی کا یہی ترکہ اور سرمایہ چھوڑا۔

اہل کلیسا اور روشن خیال لوگوں کے اس باہمی تصادم نے ایک ایسا ماحول پیدا کر دیا جس میں ان کے ذہنی نظام میں خدا کے لیے کوئی جگہ نہ رہی۔ چنانچہ ایک نو مسلم محمد اسد نے اس بارہ میں لکھا ہے:

''مغربی تہذیب صاف لفظوں میں اور پرزور طریقہ پر تو خدا کا انکار نہیں کرتی لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس کے ذہنی نظام میں خدا کی کوئی جگہ نہیں اور اس کے ماننے میں وہ کوئی فائدہ محسوس کرتی ہے اور نہ اس کی ضرورت سمجھتی ہے۔'' ❶

❶ Conflict between Science of Raligion

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یورپ میں اسلامی علوم کیسے پہنچے؟

اب آخر میں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ اسلامی علوم یورپ میں کیسے پہنچے؟ اور وہ کیا ذرائع تھے جن سے یہ علوم سرزمین یورپ میں داخل ہوئے۔ اس کا مختصر جواب تو یہ ہے کہ جب یورپ کے ایک حصہ اندلس (اسپین) میں اسلامی علوم کا سمندر بہ رہا تھا تو یورپ کے تشنہ کام کیسے اس آب زلال سے محروم رہ سکتے تھے۔ اسلامی علوم کا یورپ میں پہنچنے کا صرف ایک ہی ذریعہ نہ تھا بلکہ اس کے حسب ذیل ذرائع تھے:

(۱) اس کا پہلا ذریعہ تو یہ تھا کہ بعض علم کے شوقین حضرات نے جب اسپین کی علمی ترقی کو اپنی آنکھوں سے دیکھا تو ان کے دل میں بھی علم حاصل کرنے کا جذبہ پیدا ہوا کیونکہ وہ یہ سمجھنے لگ گئے تھے کہ ترقی کا پہلا زینہ علم کا حصول ہے۔

اور چونکہ ان کے ہاں علم کی جگہ جہالت کی فرماں روائی ہے اور اہل کلیسا جدید نظریات اور علم کے حصول کے سخت مخالف ہیں لہٰذا ان لوگوں نے علم حاصل کرنے کی خاطر اپنے شہروں سے نقل مکانی کیا اور مسلمان ممالک میں جا کر طلب علم میں مشغول ہو گئے۔ چنانچہ گیارہویں صدی میں کانسٹنٹائن (Constantine) شمالی افریقہ میں حصول علم میں مصروف تھا۔ ایڈ لارڈ (Adelard) جو انگلستان کے شہر باتھ کا باشندہ تھا وہ سوریا میں علم حاصل کرنے میں مصروف تھا۔ اٹلی کے شہر پیزا (Pisa) کا رہنے والا ایک شخص لیونارڈ (Leonard) جس نے یورپ میں موجودہ طریق حساب کی بنیاد رکھی (کیونکہ ایک سے دس تک ہندسے اور حساب کرنے کا طریقہ جو آج یورپ میں مروج ہے، وہ یورپ نے عربوں ہی سے سیکھا) اس نے اس طریقہ کو شمالی افریقہ کے عالموں سے سیکھا تھا۔ قسطنطنیہ اس زمانہ میں مشرقی رومی سلطنت بازنطینی (Byzantine) کا دارالسلطنت تھا۔ یہ اسلامی ممالک کے ساتھ ملتا تھا اس وجہ سے یہاں دونوں طرف

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سے لوگوں کی آمد و رفت تھی۔ اس وجہ سے بھی کچھ عربی علوم عیسائی دنیا میں داخل ہوئے۔ سسلی کا جزیرہ اٹلی کے نیچے اور شمالی افریقہ کے علاقوں الجیریا اور ٹرپولی کے اوپر بحر روم میں واقع ہے۔ یہاں مسلمانوں کی حکومت ۹۰۲ء سے ۱۰۹۱ء تک رہی۔ اس جزیرہ کو اگرچہ ٹارمن لوگوں نے فتح کر لیا لیکن پھر بھی یہاں مسلمان باشندوں کی کافی تعداد باقی رہ گئی۔ یہ باقی ماندہ مسلمان گرد و نواح کے عیسائیوں کے استاد بنے اور ان کے ذریعے بہت سا علم یورپ میں پہنچا۔ ہیسکن (Haskin) کے الفاظ ہیں "تاہم وسیع نظر سے دیکھتے ہوئے یہ امر ظاہر ہے کہ ہسپانیہ کے عرب نئے علوم کو مغربی یورپ میں پہنچانے کا سب سے بڑا ذریعہ تھے۔" ❶

(۲) اسلامی علوم کا یورپ میں داخل ہونے کا سب سے بڑا ذریعہ صلیبی جنگیں تھیں جو قریباً دو سو سال تک جاری رہیں۔ ان لڑائیوں کا اثر یورپ کی ذہنی ترقی پر بے اندازہ ہوا۔ چنانچہ مشہور مستشرق ولیم میور (W. Muir) نے لکھا ہے:

"یہ صلیبی جنگیں ہی تھیں جن کی وجہ سے مغربی دنیا اپنی طویل خواب غفلت سے بیدار ہوئی۔ انہی کی وجہ سے تمام یورپ کے سلاطین ایک نکتہ پر اکٹھے ہوئے جس کا مدعا اگرچہ شاندار تھا لیکن غلط تھا۔ اس طرح سے ان کے دلوں میں تازہ سیاسی روح پیدا ہو گئی۔ اس کا باعث براہ راست یا بالواسطہ اسلام ہی تھا۔ تجارت اور بحری کاروبار میں ان کے سبب سے ترقی ہوئی۔ اس طرح سے ان لڑائیوں نے یورپ کی دولت اور ثروت میں اضافہ کیا۔ فنون لطیفہ میں تازہ روح پھونکنے کا سبب بنیں، اور سائنس کے ایسے شعبوں مثلاً ہیئت، ریاضی، طب اور تاریخ قدرت کی علمی تحصیل کا باعث ہوئیں۔"

Muir: The Mam luke or Slove Dynasty,

❶ Mohammad Asad: Islam at The Cross Reads. P.40

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

Introduction بارکر (Barker) نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ ''یورپ کے فنون اور ادبیات پر صلیبی جنگوں کے سبب اسلامی تمدن کا گہرا اثر پڑا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مغرب نے اسلامی زبانوں کی تحصیل شروع کر دی اور مسلمانوں کے علوم کو ایک نئے لباس میں دنیا کے سامنے پیش کرنا شروع کیا۔'' ❶

ایسا ہی برڈو (Berdoe) نے بھی لکھا ہے۔ اس طرح سے اسلام اور مسلمانوں کے ساتھ رابطہ اور تعلق پیدا کرنے کے بعد یورپ نے براہ راست یا بالواسطہ اپنی فضا میں وہ کیفیت پیدا کی جسے تہذیب یا تمدن کہتے ہیں۔ ان کی روح بیدار ہوگئی۔ تجسس و جستجو اور تفتیش و تلاش کا جذبہ پیدا ہوا۔ نگاہ میں وسعت، دل میں ہمت اور دماغ میں علم پیدا ہو گیا۔ چنانچہ یورپ کے باشندے ان جذبات کے ساتھ گھر سے نکلے اور ہر تکلیف و اذیت برداشت کر کے سائنس کا علم حاصل کیا اور دنیا میں صنعتی انقلاب پیدا کر کے پوری دنیا پر حاوی ہو گئے۔

مختصر یہ کہ اسلامی علوم کو یورپ نے جب قریباً تمام تر حاصل کر لیا تو ان میں ایک نئی روح پیدا ہوگئی۔ یورپ کی نشأۃ ثانیہ (Renaissance) کا سبب بھی بڑی حد تک اسلام ہوا۔ اسے ''نہضت علمی'' بھی کہتے ہیں۔ بہتر یہ ہے کہ دنیا کی اس عظیم الشان ذہنی تبدیلی کے اسباب اور اس کی اہمیت کو آپ ایک مغربی دانشور اور محقق کی زبانی سنیں۔ ہکسلے (Huxley) اپنی کتاب میں لکھتا ہے:

''اگر مغربی دنیا کو چین کی طرح سے بالکل الگ تھلگ رہنے دیا جاتا تو کچھ معلوم نہیں کہ کب تک یہ حالت قائم رہتی، مگر خوش قسمتی سے یہ بے تعلق نہ رہ سکی۔ تیرھویں صدی عیسوی سے پہلے ہی اسپین میں عربی تمدن کے ترقی پذیر ہونے اور صلیبی جنگوں کی تحریک عظیم سے یورپ کا خمیر بننے کے لیے ایسا جامن لگا کہ اس دن سے آج تک اس نے اپنا کام موقوف نہیں کیا۔ پہلے تو عربی تراجم کی وساطت سے پھر اصل کتابوں کے مطالعہ

❶ The Legacy of Islam, P.64

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سے یورپ کی مغربی اقوام قدیم فلسفیوں اور شاعروں کی تصنیفات سے اور ہوتے ہوتے عہد قدیم کے تمام وسیع ادبیات سے آشنا ہوگئیں۔'' ❶

اس ساری بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ فطرت کے خزانے پہلے دن ہی سے زمین کے اوپر موجود تھے۔ انسان کی ذہنی صلاحیت بھی قدیم ترین زمانہ سے پائی جاتی تھی۔ اسی ذہنی صلاحیت سے اس نے بڑے بڑے پتھر تراش کر اہرام مصر بنائے۔ انسانوں کو ممی کیا، بڑی بڑی عمارتیں تعمیر کیں، لیکن فطرت کے خزانہ کو جس کو آج سائنس کا نام دیا جاتا ہے، انسانی تمدن کے لیے استعمال کرنے میں اتنی دیر کیوں لگا دی۔ پانی لاکھوں برس سے کرۂ ارض پر موجود ہے۔ ہر زمانے کے انسان نے اس کو استعمال کیا۔ لیکن چند سو برس پہلے سے انسان پر یہ بات منکشف ہوئی کہ یہ H2o کا مجموعہ ہے یعنی دو حصے ہائیڈروجن اور ایک حصہ آکسیجن کو اگر ملایا جائے تو یہ پانی کے اجزائے ترکیبی ہیں۔ یہ سائنس کی ایجاد سرکار دو عالم ﷺ کے وجود اور قرآن حکیم کے نزول کے نتیجہ میں ہے۔ وجہ اس کی ایک مسلمان سے نہیں بلکہ ایک غیر مسلم مغربی دانشور آرنلڈ ٹائن بی (1889-1975ء) سے سنئے، اور جو کچھ اس نے کہا ہے وہ بالکل درست اور صحیح کہا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ قدیم زمانہ کا انسان زمین کو دیوتا سمجھتا تھا۔ یہاں کی ہر شی اس کے لیے معبود اور خدا کا درجہ رکھتی تھی۔ وہ ان کو دیکھتا تو ان کے بارے میں اس کے لیے تقدس اور پرستش کے جذبات پیدا ہوتے تھے۔ اس نفسیاتی فضا میں زمینی ذرائع کو انسانی خدمت کے لیے استعمال کرنے کے جذبات نہیں پیدا ہو سکتے تھے۔ ٹائن بی کے الفاظ میں یہ توحید (Monotheism) کا عقیدہ ہے جس نے کائنات کے تقدس کو ختم کیا اور ہر چیز کو اللہ تعالیٰ کی مخلوق بنایا۔ اس طرح سے وہ نفسیاتی فضا پیدا ہوئی جس میں انسان اس کرہ ارض اور اس پر موجود ہر شی کو دیوتا اور قابل پرستش سمجھنے کے بجائے اپنا خادم سمجھنے لگا اور اس پر تصرف کا عمل کرنے لگا۔ ❷

---

❶ Haskin: Studies in The History of Mediaeval Science. P.5

❷ رائیڈرز ڈائجسٹ مارچ ۱۹۷۴ء

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کائنات کو تسخیر کرنے اور اس میں چھپے ہوئے رازوں کو منکشف کرنے کا داعیہ سب سے پہلے اسلام کے مسئلہ توحید کے اثر سے مسلمانوں میں پیدا ہوا۔ اس فکری انقلاب کا ایک دھارا وہ تھا جس کا مرکز اسپین اور سسلی بنا۔ ان ملکوں میں مسئلہ توحید کے نتیجہ کے طور پر سائنسی انکشافات اور زمینی خزانوں کے استعمال کرنے کا ذہن ابھرا اور آخر کار ایک عظیم الشان تہذیب وجود میں آ گئی جس نے پوری دنیا میں ایک انقلاب برپا کر دیا اور موجودہ سائنس اسی انقلاب کا نتیجہ اور اس کا برگ و بار ہے۔

سائنس ہے کیا؟

یہاں پر یہ بات واضح کر دینا ضروری ہے کہ سائنس کسی شے کے پیدا کرنے کا نام نہیں بلکہ قدرت کے پوشیدہ رازوں کو جاننے کا نام ہے۔ اس کو ایک عام مثال سے یوں بیان کیا جا سکتا ہے کہ جب سے پانی پیدا ہوا ہے اسی وقت سے اس کے اجزائے ترکیبی دو حصے ہائیڈروجن اور ایک حصہ آکسیجن ہیں۔ انسان ہزاروں لاکھوں سال اس پانی کو استعمال کرتا رہا لیکن اس نے اس کے اجزائے ترکیبی کی کھوج لگانے کی کوشش نہ کی۔ دو تین سو سال قبل جب انسان نے اس کے اجزائے ترکیبی کی کھوج لگائی تو اس پر یہ منکشف ہوا کہ پانی ہائیڈروجن اور آکسیجن سے مرکب ہے۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کی صفت ربوبیت کی کارگزاری ہے۔

اللہ تعالیٰ کی صفت ربوبیت کے نتائج:

اگر اور ذرا گہرائی میں غور کیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ سائنس اللہ تعالیٰ کی صفت ربوبیت کا نتیجہ ہے۔ اندازہ فرمائیں کہ ہمارا رب وہ ہے جس نے زمین کے گول ہونے کے باوجود اور اس کے دو قسم کی گردشوں کے ہوتے ہوئے ہمیں اس کی پیٹھ پر رہنے سہنے اور چلنے پھرنے کے مواقع فراہم کیے۔ گویا کہ وہ ہمارے حق میں ایک فرش کی طرح ہے۔ اسی وجہ سے قرآن حکیم میں اس کو ''مہاد'' کہا گیا۔ پھر اس ربانی صنعت کا کمال یہ ہے کہ باوجود اپنے محور Axis کے گردفی گھنٹہ ایک ہزار میل

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور سورج کے گرد اپنے مدار (Orbit) میں فی گھنٹہ 66,600 میل کی تیز رفتار گردشوں کے ہمیں معمولی سا بھی جھٹکا نہیں لگتا۔ پھر یہ گول سواری اور یہ عظیم الشان کرہ بغیر کسی ایندھن یا گیس یا پٹرول کے محض اجرام سماوی کی باہمی کشش اور رفتار کے اصولوں کے تحت ہمیشہ ایک ہی رفتار کے تحت رواں دواں ہے جن میں نہ تو کوئی خرابی واقع ہوتی ہے اور نہ ہی ہمارے معمولات زندگی میں کوئی خلل رونما ہوتا ہے۔

اسی طرح ربوبیت خداوندی کا ایک اور شاندار نظارہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان کی تمام قوتوں کو ہماری رزق رسانی کے لیے اپنے اپنے کام پر لگایا۔ چنانچہ سورج کی گرم گرم کرنوں کے ذریعہ سمندر کے پانی کو بھاپ بنا کر اس کی نمکینی زائل کر دی۔ پھر اس بھاپ کو بادلوں میں تبدیل کیا۔ پھر بادلوں کو ہوا کے دوش پر سوار کر کے دور دراز علاقوں تک پہنچایا۔ پھر ان بادلوں کو بارش کی شکل میں زمین پر برسا کر خشک اور مردہ زمین کو سیراب کر کے لہلہاتی کھیتیوں اور سبزہ زاروں میں تبدیل کر دیا۔ بارش کے اس پانی کو ہماری زندگی کا سامان بنا دیا۔

یہاں سے اسلام اور مادیت کا فرق بھی معلوم ہو گیا کہ مادیت ان ظاہری اسباب و علل کو مستقل بالذات مؤثر قرار دیتی ہے اور اس کی نظر میں تمام مظاہر کائنات خود بخود رواں دواں ہیں جب کہ اسلام کی نظر میں اگرچہ ان اسباب و علل کا وجود تو ہے لیکن وہ مستقل بالذات مؤثر نہیں بلکہ ایک حکیم اور مقتدر ہستی کے تابع فرمان ہیں۔ وگرنہ پھر ان میں اس قدر تسلسل ہرگز نہ پایا جاتا۔

قرآن حکیم نے چودہ سو سال قبل انسان کو مسئلہ توحید کے ضمن میں اس بات سے آگاہ کیا کہ تم اپنے رب کا رزق کھا پی کر کسی اور کو اللہ تعالیٰ کے برابر نہ ٹھہراؤ اس حال میں کہ تم بخوبی جانتے ہو کہ تم کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی دوسرا اس حیرت انگریز طریقہ سے کھلا پلا نہیں سکتا۔ قرآن کی اس بات کی اس سائنسی دور میں بڑی اہمیت ہے کیونکہ ہر قسم کے غلہ، پھل اور ترکاری وغیرہ کی خصوصیت یہ ہوتی ہے کہ اس میں چار قسم کے غذائی اجزاء پائے جاتے ہیں:

1- مواد لحمیہ (Proteins) انہی اجزاء سے انسانی جسم نشو و نما پاتا ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

2- مواد انشائیہ (Corbohydrates) یہ اجزاء جسم انسانی میں گرمی اور حرارت پیدا کرتے ہیں۔

3- مواد شحمیہ: (Fats) یہ جسم کو موٹا کرتے ہیں۔

4- نمکیات (Salts) یہ اجزاء جسم کی صحت کو برقرار رکھتے ہیں۔

ان کے علاوہ کچھ اور اجزاء بھی قلیل مقدار میں جسم میں پائے جاتے ہیں جو جسم کو قوی، تندرست اور صحت مند رکھتے ہیں۔ ان اجزاء کو حیاتیں (Vitamins) کہتے ہیں۔

ایک جسم انسانی کو یہ ساری چیزیں فراہم کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے بڑی بڑی مشینوں والی فیکٹریاں نہیں لگائیں بلکہ زمین کے اندر یہ تمام اجزاء رکھے اور پھر غلہ، پھل اور ترکاریوں کے ذریعہ ان اجزاء کو زمین کے سینہ سے کھینچ کر جسم انسانی میں غذا کے ذریعہ پہنچایا۔ چنانچہ کاربوہائیڈریٹ (شکر ونشاستہ) کلوروفل کے ذریعہ بنتا ہے۔ کسی بھی پیڑ اور پودے کی پتیوں میں جو سبز رنگ (کلوروفل) کے ننھے ننھے ذرات پائے جاتے ہیں۔ یہی وہ ہرے رنگ کے ذرات ہیں جن کی بنا پر کسی بھی پودے اور درخت کی پتیاں ہری نظر آتی ہیں۔ اب انسان اور دوسرے حیوانات سانس کے ذریعہ جو کاربن ڈائی آکسائیڈ خارج کرتے ہیں اس کو مذکورہ بالا ہرے رنگ کے ذرات اپنی پتیوں کے سوراخوں کے ذریعہ حاصل کر کے ان کو سورج کی روشنی میں دن کے وقت پانی میں آمیزہ کرتے ہیں۔ یہ پانی پتیوں تک جڑوں اور شاخوں کی مدد سے برابر پہنچتا رہتا ہے۔ اب ان چار چیزوں، کلوروفل، کاربن ڈائی آکسائیڈ، پانی اور سورج کی روشنی کے باہمی تعامل سے ایک عجیب وغریب مگر میٹھی اور لذیذ چیز وجود میں آجاتی ہے جو خوش رنگ اور خوش ذائقہ غلوں اور پھلوں کی شکل میں نمودار ہوتی ہے۔ اس میٹھی چیز کو سائنس کی زبان میں کاربوہائیڈریٹ کہا جاتا ہے۔ غلوں اور پھلوں کا اکثر حصہ کاربوہائیڈریٹ پر مشتمل ہوتا ہے، مثلاً گیہوں میں 2ء71 فیصد، چاول میں 7ء78 فیصد، چنے کی دال میں 2ء61 فیصد، لوبیا میں 7ء59 فیصد، کیلے میں 4ء36 فیصد اور کھجور میں 3ء67 فیصد کاربوہائیڈریٹ پایا جاتا

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے۔ اسی طرح دوسرے غلوں اور پھلوں میں اس کا تناسب مختلف ہے۔ اس لحاظ سے اللہ تعالیٰ کی قدرت کا ایک حیرت انگیز کارخانہ ہر ایک پتی میں نظر آتا ہے جس میں ہر روز چند سادہ چیزوں سے شکر تیار ہو رہی ہے ؎

برگ درختان سبز در نظر ہوشیار
ہر ورقے دفترے است معرفت کردگار

جب سے یہ کائنات کا کارخانہ بنا ہے مواد لحمیہ، مواد انشائیہ، مواد شحمیہ اور مختلف قسم کے نمکیات اور حیاتین اسی وقت سے قدرت کے کارخانہ میں تیار ہو رہے ہیں لیکن لوگوں پر قدرت کے ان اسرار و رموز کے انکشافات اب ظاہر ہوئے ہیں۔ لیکن ابھی بھی وہ سارے اسرار و رموز منکشف نہیں ہوئے۔ چنانچہ ابھی تک تمام سائنس دان انگشت بدندان ہیں کہ چند بے جان عناصر اور ساکن چیزوں میں حرکت اور زندگی کیسے پیدا ہو جاتی ہے اور یہ کس قسم کے کیمیائی تغیرات کی بدولت جلوہ گر ہوتی ہے۔ چنانچہ نیوٹن جیسا مشہور اور نامور سائنس دان کہتا ہے کہ ''سائنس دان کی مثال اس بچے کی سی ہے جو سمندر کے کنارے چند گھونگوں اور سیپیوں سے کھیل رہا ہو، اور اس کے سامنے ابھی لامتناہی اسرار سربستہ کا وسیع اور ناقابل عبور سمندر کھڑا ہو۔''

اللہ تعالیٰ کی اس ربوبیت کو اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ اذْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ هَلْ مِنْ خَالِقٍ غَيْرُ اللَّهِ يَرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ فَأَنَّىٰ تُؤْفَكُونَ﴾ ❶

''اے لوگو! اللہ کی اس نعمت کو یاد کرو جس سے اس نے تم کو سرفراز کیا۔ کیا اللہ کے سوا کوئی خالق ایسا بھی ہے جو زمین و آسمان (کی قوتوں کو یکجا کر کے) تمہیں کھلاتا ہو؟ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، پس تم کہاں بہکے جا رہے ہو؟''

❶ فاطر:۳

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بات صرف غذا ہی کی نہیں بلکہ حقیقت یہ ہے کہ سائنس اور سائنس دان دنیا میں کسی بھی چیز کو پیدا نہیں کر سکتے اور نہ ہی عدم سے وجود میں لا سکتے ہیں، بلکہ وہ صرف اس کارخانۂ قدرت کے کچھ حقائق اور مادہ اور انرجی کے کچھ رازوں سے آشنا ہو کر اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ چیزوں کا استعمال سیکھ لیتے ہیں۔ یا دوسرے لفظوں میں قوت و توانائی کے اصولوں سے واقف ہو کر مادہ (Matter) کو استعمال کر لیتے ہیں۔ کسی شے کی حقیقتاً تخلیق نہیں کر سکتے۔ مادہ اور توانائی کے یہ تمام اصول ہزاروں لاکھوں برسوں سے عالم رنگ و بو میں برابر ودیعت رہے ہیں، لیکن سائنس کی ترقی کی بنا پر انسان ان سے فائدہ اب اٹھا رہا ہے۔ قرآن حکیم نے چودہ سو سال پہلے یہ چیلنج کر دیا تھا:

﴿ إِنَّ الَّذِينَ تَدْعُونَ مِن دُونِ اللَّهِ لَن يَخْلُقُوا ذُبَابًا وَلَوِ اجْتَمَعُوا لَهُ ﴾ ❶

''اور جن لوگوں کو تم اللہ کے سوا پکار رہے ہو وہ ایک مکھی تک بھی پیدا نہیں کر سکتے خواہ وہ سب کے سب اکٹھا ہو جائیں۔''

یہ چیلنج آج بھی برقرار ہے اور پورا عالم انسانی مل کر ایک مکھی تک کی تخلیق نہیں کر سکتا اس کی ایک اور مثال آج ہر شخص کے سامنے ہے کہ گلاب کی پیوند کاری سے بے شمار رنگوں کے گلاب پیدا کیے گئے لیکن مٹی کا ایک ذرا بھی آج تک کوئی شخص پیدا نہیں کر سکتا جس میں وہ سب چیزیں مجتمع ہوں جو قدرت کی تخلیق کردہ مٹی میں موجود ہیں۔

ان ابدی و آفاقی صداقتوں کے سامنے انسان آج بھی سر جھکائے کھڑا نظر آ رہا ہے۔ اسی طرح نہ تو ہواؤں کا رخ موڑنے کی کچھ قدرت حاصل ہے اور نہ پانی سے لدے ہوئے بادلوں ہی پر کچھ زور اور بس چل سکتا ہے کہ انہیں جہاں چاہے روک کر بارش برسا لے۔

---

❶ حج: ۷۳

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قدیم نظریات کا ابطال:

زمانۂ قدیم میں جو لوگ قدیم نظریات اور مختلف قسم کے توہمات میں مبتلا تھے اور ان کے وہ نظریات بھی کچھ عجیب وغریب ہوتے تھے۔ چنانچہ کلدانیوں کا عقیدہ تھا کہ آسمان ایک ایسی چھت ہے جو پہاڑوں پر رکھی ہوئی ہے اور آفتاب و ماہتاب اور تمام ستارے اس چھت میں جڑے ہوئے ہیں، اور آسمان چاند ستاروں سمیت ہماری زمین کے گرد گھوم رہا ہے۔ بعض حضرات کا کہنا ہے کہ مشہور یونانی حکیم بطلیموس کا بھی یہی عقیدہ تھا۔ ہندوستان کے لوگ اس نظریہ کے حامل تھے کہ ہماری زمین ایک تھال کی طرح ہے جو ایک گائے کے سینگ پر رکھی ہوئی ہے۔ اور گائے ایک کچھوے پر کھڑی ہے اور کچھوا ایک بہت بڑے سمندر میں تیر رہا ہے۔ گائے جب زمین کو اٹھائے ہوئے تھک جاتی ہے تو وہ زمین کو ایک سینگ سے دوسرے سینگ پر لیتی ہے جس کی وجہ سے زلزلے آتے ہیں۔

قرآن حکیم نے اس قسم کے تمام نظریات کی تردید کی اور دنیا کے سامنے اس بارے میں صحیح نظریات پیش کیے۔ اس نے بتایا کہ

1- یہ تمام سیارے اور ستارے آسمان میں جڑے ہوئے نہیں بلکہ فضائے آسمانی میں تیر رہے ہیں۔ ہر ایک کرہ اپنے اپنے مدار میں تیر رہا ہے۔

كُلٌّ فِي فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ ❶

''یعنی ہر ایک اپنے مدار میں تیر رہا ہے۔''

2- تمام اجرام سماوی بغیر کسی ستون یا سہارے کے بے کراں خلاؤں میں معلق ہیں۔

اللّٰهُ الَّذِيْ رَفَعَ السَّمٰوٰتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا ❷

''یعنی ہر ایک کرۂ فلکی اپنے اپنے مدار میں گردش کر رہا ہے۔''

---

❶ یٰسین: ۴۰

❷ رعد: ۲

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

3- ﴿كُلٌّ يَّجْرِيْ لِأَجَلٍ مُّسَمًّى﴾ ❶

''ہر ایک وقت مقررہ کے مطابق چلتا ہے۔''

4- اپنے اپنے دائرہ میں اس مسلسل اور پیہم گردش سے نہ تو سورج چاند سے ٹکراتا ہے اور نہ ہی دوسرے سیاروں سے۔ نہ آفتاب کے لیے یہ بات روا ہے کہ وہ چاند کو پالے اور نہ رات دن پر سبقت لے جاسکتی ہے بلکہ ہر ایک اپنے اپنے دائرے اور مدار میں تیر رہے ہیں۔

5- اللہ تعالیٰ نے تمام سیاروں اور ستاروں کو ایک حیرت ناک نظام میں جکڑا ہوا ہے جس میں نہ تو کوئی ردوبدل ہوسکتا ہے اور نہ ہی کوئی ایک دوسرے پر تجاوز کرسکتا ہے۔ اس وجہ سے کبھی کوئی خرابی واقع نہیں ہوتی۔ اس نے آسمان کو اونچا کیا اور اس میں میزان رکھ دی کہ تم اس میزان سے تجاوز نہ کرو۔ چنانچہ فرمایا:

﴿وَالسَّمَآءَ رَفَعَهَا وَوَضَعَ الْمِيْزَانَ ۝ أَلَّا تَطْغَوْا فِي الْمِيْزَانِ﴾ ❷

قرآن حکیم نے یہ سارے دعوے اس وقت کیے جب دنیا جہالت کے گھٹا ٹوپ اندھیروں میں ٹامک ٹوئیاں مار رہی تھی۔ قرآن نے جب اپنے یہ نظریات دنیا کے سامنے پیش کیے تو دنیا میں ایک انقلاب آ گیا اور لوگوں کو اس کائنات کے بارے میں نئے سرے سے غور وفکر کرنے کی تحریک ہوئی۔ مسلمانوں کی توحید کی بنا ر جو فکری انقلاب آیا اس کا ایک نتیجہ یہ تھا کہ انسان عالم فطرت کو اس نگاہ سے دیکھنے لگے کہ وہ معبود نہیں بلکہ ایک بے بس مخلوق ہے اور انسان کو یہ حق ہے کہ وہ اس کی حقیقت کو جاننے کی کوشش کرے اور اس کو اپنے کام میں لائے کیونکہ ارشاد خداوندی ہے:

﴿خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيْعًا﴾

---

❶ الرعد:۲

❷ الرحمٰن: ۷۔۸

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

زمین میں جو کچھ بھی پیدا کیا گیا ہے وہ تمہارے لیے ہے (تم ان کے لیے نہیں ہو)

اب تک انسان ان کے لیے تھا۔ ان کی پوجا کرتا تھا، ان کو اپنا معبود سمجھتا تھا لیکن اس فکری انقلاب نے تمام مظاہر کائنات کو ایک بے بس مخلوق بنا دیا۔ اس ذہن کا آغاز اموی دور (661-750) میں دمشق میں ہوا۔ چنانچہ خالد بن یزید بن معاویہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے علم کیمیا (Chemistry) کو ایک طبعی علم کے طور پر ترقی دی۔ عباسی خلافت کے زمانہ میں علم کے اس شعبہ نے مزید ترقی اور فروغ حاصل کیا اور یہ علم اسپین اور سسلی تک پھیلتا چلا گیا۔ عباسی خلافت کے زمانہ میں اس کا مرکز بغداد تھا لیکن بعد میں اسپین ہو گیا۔ اس زمانہ میں مسلمان علمی اور تمدنی ترقی میں دنیا کی تمام قوموں سے آگے تھے۔ تاریخ کے اس دور کو یورپ کے مؤرخین تاریک دور (Dark Ages) کہتے ہیں، مگر وہ صرف یورپ کے لیے تاریک تھا نہ کہ مسلم دنیا کے لیے۔ چنانچہ ورلڈ بک انسائیکلوپیڈیا کا مقالہ نگار ''ڈارک ایجز'' کے عنوان سے لکھتا ہے:

''تاریک دور کی اصطلاحات شاندار عرب کلچر پر چسپاں نہیں ہوتیں جو اس زمانہ میں شمالی افریقہ اور اسپین میں پھیلا ہوا تھا۔''

کھوج لگانے سے معلوم ہوتا ہے کہ سائنسی ترقی کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ شرک تھا جس نے ان مظاہر قدرت کو معبودوں کا درجہ دے دیا ہوا تھا اور وہ ان پر تحقیق و تفتیش کرنا جائز نہیں سمجھتے تھے۔ مسلمانوں نے جب زمین کے بارے میں اعتقاد کی پیچیدگی سے آزاد ہو کر دونوں نظریات کو جانچا تو انہیں زمین کے گول ہونے کا نظریہ حقیقت کے قریب نظر آیا اور انہوں نے مامون الرشید کے زمانہ میں اس وقت کے سادہ آلات کے ذریعہ زمین کے محیط کو ناپا تو پتہ چلا کہ زمین کا محیط بیس (20) ہزار میل سے کچھ زیادہ ہے۔ یہ پیمائش حیرت انگیز طور پر صحت کے بالکل قریب تھی کیونکہ موجودہ زمانے میں صحیح ترین پیمائش کے مطابق زمین کا محیط خط استوا پر 25 ہزار میل ہے۔ قرون وسطیٰ میں مسلمانوں کی سائنسی ترقی کی

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تفصیلات پروفیسر فلپ ہٹی کی کتاب History of the Arabs P.375 اور حکیم محمود احمد ظفر کی کتاب Islam and Scince میں دیکھی جا سکتی ہیں۔

ایک زمانہ وہ تھا جب مسلمان سائنسی ترقی میں استادی کے مقام پر تھے بلکہ اگر غور کیا جائے تو سولہویں صدی عیسوی تک مسلمان سائنس میں پوری دنیا کے استاذ تھے۔ لیکن افسوس کا مقام ہے کہ مسلمانوں کے باہمی اختلافات کے نتیجہ میں نظام خلافت ٹوٹ گیا اور اسلام کا علم عربوں کے بجائے عثمانی ترکوں کے ہاتھوں میں چلا گیا یعنی اسلام کی سیاسی نمائندگی کا مرکز عرب سے نکل کر ترکی کی طرف منتقل ہو گیا۔ ترکوں نے اسلام کے علم کو اس وقت سنبھالا جب کہ کمزور ہاتھوں میں پہنچ کر اس کے گرنے کا اندیشہ پیدا ہو گیا تھا۔ اسلام کی مدافعت اور یورپ کے مقابلہ ان کی خدمات ناقابل فراموش ہیں، لیکن یہی ترک ہیں جو مسلم دنیا میں سائنسی تحقیقات میں رکاوٹ بنے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ سائنسی تحقیقات کا مرکز مسلم دنیا کے بجائے یورپ بن گیا۔

ترک اگرچہ نہایت بہادر، جرأت مند اور حوصلہ مند تھے لیکن علم سے انہیں اتنی رغبت نہ تھی۔ علمی تحقیق کے کام کی ان کے نزدیک وہ اہمیت نہ تھی جو اسپین کے خلفاء کے نزدیک تھی۔ زوال اسپین کے بعد جب وہاں کے سائنس دان ترکی آئے تو ترکوں نے ان کی وہ قدر نہ کی جو اسپین فرمان روا کیا کرتے تھے بلکہ ترکی خلفاء انہیں اپنے لیے ایک سیاسی خطرہ خیال کرنے لگے کیونکہ ان کا خیال تھا کہ علم کے بڑھنے سے رعایا کی وفاداری اپنے فرماں رواؤں کے لیے کم ہو جائے گی جیسا کہ آج کل جاگیردار سمجھتے ہیں کہ اگر ان کے علاقہ میں علم کی روشنی پھیل گئی تو ان کے ہاری اور مزارع ان کی وفاداری سے ہاتھ کھینچ لیں گے۔ چنانچہ ترکوں نے ان سائنس دانوں کی وہ قدر نہ کی جو عباسی خلفاء اور اسپین کے اموی خلفاء کیا کرتے تھے۔ انہوں نے تو ان لوگوں پر مال و دولت کی بارش کر رکھی تھی لیکن ترک ان کو اپنے لیے خطرہ سمجھ کر ان سے نفرت کرنے لگے۔ انہوں نے ان لوگوں کی حوصلہ افزائی کرنے کے بجائے اس قدر حوصلہ شکنی کی کہ ان کو اپنا مستقبل تاریک نظر آنے لگا۔ چنانچہ سائنس دان ترکی کو

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

خیر باد کہہ کر اٹلی اور فرانس جانا شروع ہو گئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ سائنسی تحقیق کا کام مسلم دنیا سے نکل کر یورپ میں منتقل ہو گیا۔ ترکوں نے علم اور اہل علم کی جس طرح حوصلہ شکنی کی اس کی تفصیل تاریخ الحضارۃ العربیہ میں محمد علی کرد نے بیان کی ہے۔

ان لوگوں کا مغربی دنیا میں جانا تھا کہ وہاں کے لوگوں نے ان کی زبردست پذیرائی کی۔ اس پذیرائی کی سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ صلیبی جنگوں نے جو کہ قریباً دو سو سال تک لڑی جاتی رہیں، اہل یورپ کو بے حال کر دیا تھا، کیونکہ مسلمانوں کے مقابلہ میں انہیں ہر جنگ میں شکست کا منہ دیکھنا پڑتا تھا۔ اگرچہ اہل مغرب نے بھی اپنی بساط اور علم کے مطابق بہترین اسلحہ تیار کیا ہوا تھا لیکن مسلمان اس معاملہ میں ان سے بہت آگے تھے کیونکہ جو سائنسی علم ان کے پاس تھا وہ اہل مغرب کے پاس نہیں تھا۔ چنانچہ ان صلیبی جنگوں میں ابتداءً رومی فوجوں نے یونانی آگ (Greek Fire) استعمال کی جس سے مسلمان فوجوں کو بہت نقصان اٹھانا پڑا۔ یونانی آگ دراصل ایک قسم کی پچکاری تھی جس میں آتش گیر کیمیائی مرکب بھر کر دشمن کی طرف پھینکا جاتا تھا۔ مسلمانوں نے جب اس یونانی آگ سے اپنا نقصان ہوتا دیکھا تو اس کے مقابلہ میں مسلمان سائنس دانوں نے ایک اور چیز ایجاد کی جو اس سے بہت بہتر تھی۔ اس میں روغن نفط (معدنی تیل) استعمال ہوتا تھا اور اس ایجاد کی مار زیادہ دور تک تھی اور اس کا نقصان بھی یونانی آگ سے بہت زیادہ تھا۔

یہ علمی پس ماندگی صلیبی جنگوں میں اہل مغرب کی شکست کا باعث بنتی تھی، لہٰذا قدرتی طور پر وہ مسلمانوں کے مقابلہ میں اپنی اس علمی پس ماندگی کو دور کرنے کے لیے بے تاب تھے۔ اب جو مسلم دنیا کے اہل علم اور سائنس دان ان کے یہاں پہنچے تو ان کے ساتھ انہوں نے زبردست تعاون کیا اور ہر قسم کی سہولت انہیں مہیا کرنے کی پوری پوری کوشش کی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ یورپ میں سائنسی تحقیقی کام دگنی شدت کے ساتھ ہونے لگا جو اس سے قبل مسلم دنیا میں ہو رہا تھا۔ اب سولہویں صدی سے لے کر بیسویں صدی تک قریباً چار سو سالہ عمل کے نتیجہ میں یورپ اور امریکہ میں وہ انقلاب آیا جس کو صنعتی انقلاب کہا جاتا ہے۔ اسی صنعتی انقلاب کے نتیجہ میں یورپ اور امریکہ آج

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پوری دنیا پر غالب ہیں۔ اسی صنعتی اور سائنسی انقلاب کے نتیجہ میں اہل یورپ نے ایشیاء اور افریقہ کے براعظموں میں اپنی کارلونیز (Colonies) بنائیں اور کئی سو سال تک یہاں کے لوگوں کو غلام بنائے رکھا۔ یہ سب اس صنعتی انقلاب کی وجہ سے ہوا جو سائنسی علوم سیکھنے کے بعد اہل یورپ نے برپا کیا۔

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے اور خود اہل مغرب بھی اس کو تسلیم کرتے ہیں کہ سولہویں صدی عیسوی تک مسلمان علم کے میدان میں استادی کے مقام پر تھے لیکن اس کے بعد کی صدیوں میں یورپ نے علمی میدان میں جو ترقی کی اس نے مسلمانوں کو شاگردی کے مقام پر پہنچا دیا۔ اور خود اپنے دریافت کردہ علوم میں اپنی شومئی قسمت اور علم کی ناقدری کے باعث دوسری قوموں سے پیچھے رہ گئے۔ اب بھی موقع ہے کہ وہ ان علوم میں ترقی کر کے یورپ اور امریکہ کا مقابلہ کر سکتے ہیں لیکن دو رکاوٹیں ان کے راستہ میں حائل ہیں۔

1- صدیوں تک سائنسی علوم سے دور رہنے کے باعث یورپ کے ذریعہ جب سائنس مسلمانوں کی طرف آئی تو وہ صرف ایک علم کے طور پر نہ آئی بلکہ وہ ملک گیری اور استعمار کے جلو میں آئی۔ مسلمانوں کے پاس یہ سائنس لے کر وہ لوگ آ رہے تھے جنہوں نے مسلمانوں سے ان کی عظمت وسطوت اور ان کے اقتدار کو چھینا تھا۔ ان کی تہذیب اور ان کے دینی شعائر پر حملے کیے تھے۔ اس موقع پر مسلمان اس دانش مندی کا ثبوت نہ دے سکے کہ وہ مغربی سائنس کو مغربی سیاست سے الگ کر کے دیکھیں۔ انہوں نے دونوں کو ایک سمجھا۔ وہ جس طرح مغربی قوموں کے دشمن بنے اسی طرح وہ ان علوم کے بھی دشمن بن گئے جو مغرب سے آئے تھے۔ چنانچہ مسلمان ان کو دشمن کی چیز سمجھ کر ان سے دور بھاگ رہے تھے جب دوسری قومیں ان علوم کو سیکھ کر ترقی کے بام عروج پر پہنچ رہی تھیں۔ اس علم دشمنی کا نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمان دوسری قوموں سے ان علوم میں پیچھے رہ گئے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

2- دوسری رکاوٹ اس سلسلہ میں یہ بنی کہ ایک طویل غفلت کے بعد مسلمانوں میں جو لوگ علم کے مبلغ بن کر اٹھے وہ اس کام کے پوری طرح اہل نہ تھے۔ انہوں نے ایک صحیح کام کو غلط طریقے سے انجام دینے کی کوشش کی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمانوں میں ان کو وہ قبولیت حاصل نہ ہو سکی جو حقیقت میں ان کو ہونی چاہیے تھی۔

یہاں یہ بات بھی ذہن میں رکھنی چاہیے کہ بعض جاہل لوگوں نے قرآن و حدیث میں جہاں ''علم'' کا لفظ آیا ہے اس کو انہوں نے ان علوم کا مصداق بنایا جو سیکولر ہیں اور جو آج ہماری یونیورسٹیوں اور کالجوں میں پڑھائے جاتے ہیں حالانکہ یہ بات بالکل غلط ہے۔ کیونکہ حقیقت یہ ہے کہ قرآن و حدیث میں جس علم کی فضیلت آئی ہے اس سے مراد علم دین ہے نہ کہ یونیورسٹیوں اور کالجوں کے سیکولر علوم جن میں سائنس بھی شامل ہے۔ ان علوم کا حاصل کرنا بھی مسلمانوں کے لیے ضروری ہے لیکن اس کی اہمیت قرآن حکیم کی اس آیت سے ثابت ہوتی ہے جس میں حکم دیا گیا ہے کہ وہ قوت حاصل کرو جس سے تمہارے دشمن پر تمہاری دھاک بیٹھ جائے۔ اس وجہ سے موجودہ علوم چونکہ ایک بہت بڑی قوت ہے جس سے دشمن پر ہماری دھاک بیٹھ جاتی ہے، اس لیے ان کا حاصل کرنا بھی از روئے قرآن نہایت ضروری ہے۔ اس کی مثال ہمارے سامنے ہے کہ اگر آج ہم نے ایٹمی دھماکہ نہ کیا ہوتا اور غوری میزائل نہ بنائے ہوتے تو ہندوستان کب کا ہمیں کھا گیا ہوتا۔ لیکن جب ہم نے اس کے مقابلہ میں اپنے میں ایٹمی قوت پیدا کی تو اب ان شاء اللہ اس کو ہم پر حملہ کرنے کی کبھی بھی جرأت پیدا نہ ہوگی۔

دنیا میں مسلمانوں کا علمی تفوق اور برتری دیکھ کر اہل مغرب میں مسلمانوں کا فلسفہ، سائنس اور ان کے علوم وفنون سیکھنے کی تحریک نہایت زور شور سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ یورپ کی یونیورسٹیوں اور کالجوں میں عربی پڑھانے کا اہتمام کیا گیا۔ مسلمانوں کی تصنیفات کے ترجمے یورپ کی زبانوں میں کیے جانے لگے۔ یورپ کے طلبہ مسلم شہروں میں تحصیل علم کے لیے جانا شروع ہو گئے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس وقت یورپ کے قدامت پسند حلقوں میں عربی زبان کی توسیع کی حوصلہ افزائی کے سلسلہ میں سخت ناراضگی پائی جاتی تھی جس کی وجہ خاص طور پر یہ اندیشہ تھا کہ عربی سیکھنے سے عیسائیوں کے درمیان اسلامی خیالات پھیلنا شروع ہو جائیں گے، مثال کے طور پر فرانسس کن راہب راجر بیکن جو اپنے زمانے کا مشہور انگلستانی دانشور تھا، اس نے جب عربی زبان کے سیکھنے کی اہمیت پر زور دیا تو آکسفورڈ (Oxford) کے علماء چلا اٹھے کہ ''بیکن مسلمان (Saracen) ہو گیا ہے۔'' لیکن اس طرح کی مخالفتوں کے باوجود مسلمانوں کی زبان اور ان کے علوم سیکھنے کا رجحان روز بروز بڑھتا گیا۔ مسلمان محققین سے حاصل کردہ علم کو لے کر یورپ نے اپنی کوشش سے اس میں اضافے کیا اور اتنی ترقی کی کہ تاریخ میں پہلی بار قوت کا معیار بدل گیا، اور بالآخر مسلمانوں کو ہر میدان میں شکست دے کر علم و عمل کی پوری دنیا کا مالک بن گیا۔ جدید مؤرخین نے قریباً متفقہ طور پر تسلیم کیا ہے کہ یورپ کی نشأۃ ثانیہ (Renaissance) کا اہم ترین محرک وہ علم تھے جو مسلمانوں کی معرفت مغرب تک پہنچے۔

اسلام میں سائنس کی اہمیت:

اسلام میں سائنس کی بہت اہمیت ہے۔ اس کی علماء نے کئی وجوہات لکھی ہیں۔ سائنس دراصل نام ہے عالم حقائق کے مطالعہ کا اور قرآن حکیم کی متعدد آیات میں اہل ایمان کے بارے میں یہ بتایا گیا ہے کہ وہ زمین اور آسمان کی خلقت میں غور و خوض کرتے ہیں۔

﴿يَتَفَكَّرُونَ فِي خَلْقِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ﴾ ❶

اس اعتبار سے ایک سائنس دان وہی کام کرتا ہے جو ایک مومن کرتا ہے، لیکن مومن اور سائنس دان میں بنیادی فرق یہ ہے کہ سائنس دان زمین و آسمان کی خلقت میں صرف تحقیق کے لیے غور و خوض کرتا ہے جب کہ مومن عبرت کے لیے یہ

❶ آل عمران:۱۹۱

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کام کرتا ہے۔ اس تفکر و تدبر سے سائنس دان کے علم میں اضافہ ہوتا ہے جب کہ ایک مومن کے ایمان میں اضافہ ہوتا ہے۔ ایک سائنس دان اپنے آپ کو اشیاء کے خواص کے مطابق تک محدود رکھتا ہے لیکن ایک مومن خواص اشیاء سے گزر کر حقائق اشیاء تک اپنا مطالعہ لے جاتا ہے اور وہ مخلوق کو اپنے خالق کے ساتھ شامل کر کے دیکھتا ہے جس سے اس کے مشاہدہ کائنات کی معنویت میں زبردست اضافہ ہوتا ہے۔ وہ کائنات کو پاتے ہی خالق کائنات کو بھی پالیتا ہے جس پر وہ نبی اور رسول کے ذریعہ ایمان لایا ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ قرآن حکیم میں کائنات کے واقعات کو قرآنی پیغام کے حق میں بطور استدلال پیش کیا گیا ہے۔ گویا قرآن حکیم میں جو بات نظری طور پر کہی گئی ہے کائنات اس کے حق میں واقعاتی دلیل ہے۔ اس اعتبار سے پوری سائنس قرآن حکیم کا ''علم الکلام'' ہے کیونکہ سائنس کسی سائنس دان کے خودساختہ علم کا نام نہیں بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کی کائنات میں کام کرنے والے قوانین کی تلاش کا نام ہے۔ ان قوانین کا جو حصہ بھی سائنس دریافت کرتی ہے وہ اللہ تعالیٰ کی کافرمائیوں کی ایک جھلک ہوتی ہے۔

سائنس کا علم حاصل کرنے کی تیسری وجہ یہ ہے کہ وہ موجودہ زمانہ میں قوت و طاقت کی حیثیت رکھتی ہے۔ سائنسی علوم میں ماہر قومیں دنیا میں سرفراز اور طاقتور ہیں، اور جو قومیں سائنسی علوم سے عاری ہیں وہ کمزور اور مغلوب ہیں۔ اسلام مسلمانوں کو دنیا میں سربلند دیکھنا چاہتا ہے لہٰذا اسلام کی رو سے مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ سائنسی علوم میں مہارت حاصل کر کے دنیائے اسلام کی سربلندی کا باعث بنیں اور پوری دنیا میں اسلام کو غالب کریں اور خود بھی سرفراز و سربلند ہوں۔

انیسویں صدی میں تاریخ نے ایک دوسرا منظر بھی دیکھا۔ یورپ کی ترقی اور عروج سے متاثر ہو کر مسلمانوں کے اندر یہ رجحان ابھرا کہ وہ یورپ کے علوم و فنون سیکھیں، لیکن یہاں اس رجحان کا محرک اس سے بالکل مختلف تھا جو یورپ کی تاریخ میں ہمیں نظر آتا ہے۔ سرسید احمد خان جو پروفیسر گب (Gibb) کے الفاظ میں

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پہلی جدت پسند تنظیم (Modernist Orgarnsation) کے بانی تھے اور آج کل کے صاحبان اقتدار کے الفاظ میں ''روشن خیال'' تھے، انہوں نے 1857ء میں علی گڑھ کالج قائم کیا اور اس میں اپنی ساری زندگی وقف کر دی یہاں تک کہ 1920ء میں وہ یونیورسٹی بن گیا۔ وہ یورپی طرز تعلیم کے زبردست حامی تھے۔ ان کا مقصد اس تعلیم سے یہ نہ تھا کہ مسلمان سائنسی علوم اور انجینئرنگ میں مہارت حاصل کریں بلکہ ان کا مقصد اس تعلیم سے یہ تھا جس کی ترجمانی ان کے رفیق خاص مولانا حالی نے ان الفاظ میں کی ہے ع

حالی اب آؤ پیروئ مغربی کریں

''سرسید نے جب انگلستان سے واپس آ کر دسمبر 1870ء میں ''تہذیب الاخلاق'' نکالنا شروع کیا تو انہوں نے پہلے پرچہ کے شروع میں لکھا:

''اس پرچہ کے اجراء سے مقصد یہ ہے کہ ہندوستان کے مسلمانوں کو کامل درجہ کی سویلیزیشن یعنی تہذیب اختیار کرنے پر راغب کیا جائے تاکہ جس حقارت سے سویلائزڈ یعنی مہذب قومیں ان کو دیکھتی ہیں، وہ رفع ہو اور وہ بھی دنیا میں معزز اور مہذب قوم کہلائیں۔''

سرسید جب ترقی کا تصور کرتے تو ان کے ذہن میں ''رزق برق وردیاں پہنے کرنل اور میجر بنے ہوئے مسلمان نوجوان'' ہوتے تھے۔ ان کا منتہائے مقصود ایسی تعلیم تھی جو مسلمانوں کو اعلیٰ عہدوں تک پہنچا سکے۔ سرسید کی تہذیب کو مہدی افادی نے بجا طور پر ''اینگلو محمڈن کلچر'' کا نام دیا ہے۔

کمال اتاترک اس گروہ کا دوسرا نمایاں ترین نام ہے جو آج کل جنرل پرویز مشرف کا بھی آئیڈیل ہے، اور ان کی خواہش ہے کہ پاکستان میں بھی ترکی کی طرح سیکولر نظام رائج ہو جو ملحدانہ روش خیالی کو ضیاء بخشے۔ وہ روشن خیالی جس میں زنا بالرضا بھی جائز ہو، شراب پینے پر بھی کوئی قدغن نہ ہو اور ہر قسم کی برائی حکومت کی سرپرستی میں پینے۔ اتاترک انگریزی تہذیب کو اپنانے میں سرسید سے بھی دو قدم آگے تھا۔ وہ ترکی جس کے آخری خلیفہ سلطان عبدالحمید کے دور میں یہودیوں کی

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عالمی تنظیم کی طرف سے خلیفہ کو یہ پیش کش کی گئی تھی کہ اگر وہ فلسطین میں یہودی ریاست قائم کرنے کی اجازت دے دیں تو اس کے بدلہ میں اس تنظیم کی طرف سے قرضوں کی ادائیگی اور نظام حکومت چلانے کے لیے ایک گراں قدر اور خطیر رقم دینے کے ساتھ ساتھ خود سلطان کو ذاتی طور پر بھی منہ مانگی رقم پیش کی جائے گی، لیکن سلطان نے اس پیش کش کو یہ کہہ کر مسترد کر دیا کہ فلسطین پوری مسلم امہ کی امانت ہے۔ اس میں وہ کسی صورت بھی یہودی ریاست قائم کرنے کی اجازت نہیں دے سکتے۔ اس سے بھی اہم بات یہ کہ فلسطین میں مسلمانوں کا قبلۂ اول بھی ہے جس کے حصول کے لیے مسلمانوں نے اپنی جانوں کا گراں قدر نذرانہ پیش کیا ہے، اور اب بھی وہ اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کر کے اپنے قبلۂ اول کا دفاع کریں گے۔ سلطان عبدالحمید کے اس ایمان افروز جواب کے نتیجے میں یہودیوں کا وفد مایوس ہو کر لوٹ گیا لیکن جاتے ہوئے انہوں نے سلطان کو دھمکی دی کہ اب اسے اس کا خمیازہ بھگتنے کے لیے تیار رہنا چاہیے۔ چنانچہ اس دھمکی کے مطابق عالمی صہیونی لابی نے اس وقت کی عالمی استعماری طاقت برطانیہ کے ساتھ مل کر سلطنت عثمانیہ کے خلاف ایک خوفناک سازش تیار کی جس کے مطابق 1924ء میں ترک میں مقیم یہودی قبیلہ دونمہ سے تعلق رکھنے والے ایک فرد مصطفیٰ کمال کے ذریعہ عثمانی خلافت کا تختہ الٹ دیا گیا۔ مصطفےٰ کمال نے برسر اقتدار آنے کے بعد نہ صرف یہ کہ خلافت کا خاتمہ کر دیا بلکہ ترکوں کا تعلق اپنے اسلامی ماضی، اسلام اور مسلم امہ سے منقطع کرنے کے لیے ظلم اور سفاکی کا ایسا بازار گرم کیا کہ اس کی نظیر مشکل سے ملے گی۔ سیکولرزم کے نفاذ کے نام پر اتاترک نے ترکی کی انفرادی و اجتماعی زندگی سے اسلام کے ہر نشان کو مٹا دیا۔ چنانچہ 1924ء میں خلافت کے خاتمے کے اعلان کے ساتھ ہی شریعت کو بھی منسوخ کر دیا گیا۔ عربی زبان پر پابندی عائد کر دی گئی یہاں تک کہ عربی زبان میں اذان اور نماز پر بھی پابندی لگا دی گئی۔ مساجد مقفل کر دی گئیں۔ پردے کو ممنوع قرار دیا گیا اور اسلام کے ساتھ کسی بھی قسم کے تعلق کو ممنوع قرار دیا گیا۔ اسی پر علامہ اقبال نے فرمایا تھا ؎

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

چاک کر دی ترک ناداں نے خلافت کی قبا
سادگی اپنوں کی دیکھ غیروں کی عیاری بھی دیکھ

اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ جس شخص کا آئیڈیل (Ideal) مصطفےٰ کمال جیسا شخص ہو وہ شخص پاکستان میں اسلام کے خلاف کیا کیا گل کھلائے گا؟ جب کہ امریکی حکومت بھی اس کو ڈکٹیٹ کر رہی ہو۔ جو شخص اپنے ملک کے خواص کو امریکہ کے ہاتھ چند ڈالروں کے عوض فروخت کر سکتا ہے وہ دینی مدارس اور دینی تعلیم پر پابندیاں عائد کرنے میں قطعاً کوئی رعایت نہیں کرے گا۔ وہ دین کے ساتھ وہی معاملہ کرے گا جو اتاترک نے کیا تھا، اور وہ پاکستان کے انفرادی اور اجتماعی زندگی سے اسلام کے ہر نشان کو مٹانے کی پوری پوری کوشش کرے گا۔

یہ بات تو جملہ معترضہ کے طور پر درمیان میں آ گئی۔ بتایہ رہا تھا کہ ترکی میں مغربی تعلیم وتہذیب کی اشاعت سے کمال اتاترک کا مقصد کیا تھا؟ اس کا اندازہ اس عنوان سے ہوتا ہے جو اس مہم کو وہاں دیا گیا۔ کمال اتاترک اور اس کے ساتھیوں کے نزدیک یہ ''غرب دوغرو'' تھا جس کے معنی ترکی زبان میں ''سمت مغرب میں سفر'' کے ہیں۔ سمت مغرب میں سفر کا یہ کام اس درجہ اہم تھا کہ صرف رومن رسم الخط جاری کرنے اور ترکی باشندوں کو ہیٹ (Hat) پہنانے کے لیے ہزاروں آدمی اس طرح ہلاک کر دیئے گئے گویا ت سے بغاوت کے مجرم ہیں۔

اس تقلیدی ذہنیت کا یہ نتیجہ تھا کہ ہمارے مصلحین کی ساری توجہ بس یورپ کی تہذیب اور یورپ کی زبان وادب کے حصول پر لگی رہی۔ سائنس اور ٹیکنالوجی جو مغربی قوموں کی ترقی کا اصل راز تھا، اس کو مسلمانوں کے اندر رائج کرنے کی کوئی کوشش نہ کی گئی۔ سرسید نے تو صراحتاً مسلمانوں کے لیے ٹیکنیکل ایجوکیشن کی مخالفت اور اعلیٰ درجہ کی دماغی تعلیم کو سب سے مقدم قرار دیا۔ یہی اس زمانہ میں تعلیم جدید کے حامیوں کا نقطۂ نظر تھا اور آج بھی قریباً یہی ہے۔ ان حضرات نے ساری توجہ صرف اس پر دی کہ ایسا گروہ پیدا ہو جائے جو مغربی تمدن اور یورپی ادب میں کمال حاصل کیے ہوئے ہو۔ کمال اتاترک کا نام نہاد انقلاب اور روس کے اشتراکی

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

انقلاب میں صرف چند سال کا فرق ہے۔ (وہ 1917ء میں آیا اور یہ 1924ء میں) مگر حیرت انگیز بات ہے کہ روس آج خلائی دور میں داخل ہو چکا ہے اور ترکی ابھی تک زمین پر بھی مستحکم مقام حاصل نہیں کر سکا بلکہ اب تو اس کی اقتصادی حالت روز بروز گر رہی ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ قوموں کی ترقی علوم وفنون حاصل کرنے سے ہوتی ہے نہ کہ کوٹ پتلون پہننے اور عورتوں کے میک اپ اور بال کٹوانے سے۔ اقبال مرحوم نے بالکل صحیح فرمایا ہے ؎

قوت مغرب نہ از چنگ و رباب
نے ز رقص دختران بے حجاب
نے ز سحر ساحران لالہ روست
نے ز عریاں ساق، نے از قطع موست
محکمی او را نہ از لادینی است
نے فروغش از خط لاطینی است
قوت افرنگ از علم و فن است
از ہمیں آتش چراغش روشن است

اسی نظم میں اقبال اپنے خیالات کی ان الفاظ میں ترجمانی کرتے ہیں:

بندۂ افرنگ از ذوق نمود
محابرد از عریاں رقص و سرود
نقد جان خویش دربازو بہ لہو
علم دشوار است می سازد بہ لہو
از تن آسانی بگیرد سہل را
فطرت او درپذیرد سہل را

یورپ جس ذہن کے ساتھ ہمارے علوم کی طرف بڑھا وہ یہ تھا کہ مسلمانوں سے ان کے علوم اور ان کے ہنر کو لے کر اس کے ذریعہ سے ان کو شکست دی جائے۔ ان چیزوں کو اس نے وقت کی طاقت سمجھا اور اس کو اپنے دشمن کے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مقابلہ میں استعمال کیا۔ چنانچہ اپنی اسی مہم کو یورپ نے ''تقلید مشرق'' یا ''تقلید مسلم'' کا نام نہیں دیا بلکہ اس کو روحانی صلیبی جنگ (Spritual Crusades) کہا۔ جس کا مطلب یہ تھا کہ صلیبی لڑائیوں کی ہاری ہوئی بازی کو نئی تکنیک سے کامیاب بنایا جائے۔ اور جب اس کوشش سے وہ اپنے کو ایک نئے انقلاب تک پہنچانے میں کامیاب ہو گئے تو اس کو انہوں نے یہ حیثیت دی گویا انہوں نے خود اپنی کھوئی ہوئی حیثیت دوبارہ حاصل کی ہے۔ چنانچہ یورپ نے اس نئے انقلاب کا تاریخی نام نشأۃ ثانیہ (Renaissance) رکھا۔ یہ فرانسیسی زبان کا لفظ ہے جس کا مطلب ہے نیا جنم (Rebirth) گویا یہ کوئی غیر سے حاصل کی ہوئی چیز نہیں ہے بلکہ یہ یورپ کی اپنی ہی متاع گم گشتہ ہے جو اس نے دوبارہ پائی ہے۔ یورپ نے لیتے وقت اگرچہ ان علوم کو مسلمانوں سے لیا تھا مگر اس نے حال کی کڑی کو حذف کر کے اس کا رشتہ ماضی سے ملایا اور اس کو مغرب کے ایک ملک یونان کی چیز قرار دے کر اس کو نشأۃ ثانیہ کہا۔ اس کے برعکس ہم نے ایسا نہیں کیا حالانکہ جو چیز یورپ ہمیں دے رہا تھا وہ اضافہ شدہ حالت میں وہی سرمایہ تھا جو یورپ کو ہم نے عطا کیا تھا۔ مسلمان مغربی علوم کی طرف خاص تقلیدی ذہن کے ساتھ بڑھے۔ ان کا یہ فعل سرسید احمد کے یہاں ''پیروئ مغرب'' اور اتاترک کے یہاں ''غرب دوغرڈ'' کے ہم معنی تھا۔ ذہنیت کے اس فرق کا لازمی نتیجہ یہ ہونا تھا کہ یورپ ہمارے علوم کو سیکھ کر ہمیں شکست دے، اور اس کے برعکس ہم مغرب کے علوم کو سیکھ کر صرف مغرب کے بھونڈے نقال بن کر رہ جائیں۔

کمال اتاترک کی تحریک کا آخری نشانہ یہ تھا کہ ترک قوم ہیٹ اور پتلون پہنے اور عورتیں اسکرٹ پہننے لگیں، اور سرسید کا منتہائے نظر یہ تھا کہ مسلمان نوجوان مغربی ادبیات اور لٹریچر میں کمال حاصل کریں۔ دونوں کے منشور میں سائنس اور انجینئرنگ کی تعلیم کے حصول کا کوئی داعیہ نہ تھا۔ ظاہر ہے کہ اس طرح نئے ذہن کے تحت مغرب کی طرف بڑھنے کا یہی نتیجہ ہو سکتا تھا جو عملاً برآمد ہوا۔

یہ تاریخ جہاں ایک طرف ہماری غلطی کو بتاتی ہے وہیں اس کے اندر اس کا بھی نشان ہے کہ اب ہمیں کیا کرنا چاہیے۔ ہمیں وہی کرنا چاہیے جو مغربی قوموں نے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہمارے ساتھ کیا۔ مغربی علوم کو اس لیے سیکھا تا کہ ان کے ذریعہ مغربی تہذیب کو شکست دے کر اسلام کو غالب کیا جائے۔ اگر ہمارے اندر یہ ذہن پیدا ہو جائے تو نتیجہ برعکس شکل 0 میں ظاہر ہوگا جو مغربی قوموں کے لیے ہمارے مقابلے میں ظاہر ہوا تھا۔ ❶

یہ سب کچھ جملہ معترضہ کے طور پر اس لیے بتایا گیا کہ اس وقت ہم پر جو ادبار چھایا ہوا ہے وہ صرف اس لیے ہے کہ ہم نے شریعت اسلامیہ کو چھوڑ کر مغرب کی تقلید کر لی اور وہ بھی علوم وفنون میں نہیں بلکہ بے حیائی، عیش وتنعم اور ان کی ان بری عادات میں جو شریعت اسلامیہ کے سراسر مخالف ہیں۔ ہم اپنا لباس چھوڑ کر ان کا لباس پہننے میں فخر محسوس کرتے ہیں۔ اپنی زبان چھوڑ کر ان کی زبان میں بات چیت کرنے میں اپنے مہذب ہونے کی علامت سمجھتے ہیں۔ حالانکہ تہذیب وتمدن اور آئین وقوانین کا جو سرمایہ ہمارے پاس ہے وہ دنیا کے تمام مروجہ قوانین سے اعلیٰ وارفع ہے۔ اسی لیے کسی نے کہا تھا اور میں سمجھتا ہوں کہ اس نے بالکل صحیح کہا تھا ؎

بچو تقلید مغرب سے سنو اے ایشیا والو
کہ مغرب کی طرف جاتے ہی سورج ڈوب جاتا ہے

آج بھی ہمارے صاحبان اقتدار یہی کہتے ہیں کہ ملک میں ماڈرن اور روشن خیال اسلام نافذ کیا جائے۔ اور ماڈرن اور روشن خیال اسلام یہ ہے جس میں باہمی رضامندی سے زنا بھی جائز، ناچ گانا بھی جائز، رقص وموسیقی بھی جائز، کتے پالنا بھی جائز، مرد عورتوں مخلوط مجلسیں بھی جائز، عورتوں کی نیم برہنگی بھی جائز۔ غرض کہ ہر وہ چیز جائز ہو جو مغرب میں لی جاتی ہے۔ ہمارا منتہائے مقصود مغرب ہے اسلام نہیں۔ کوئی شخص یہ کہتا ہے کہ ہمارا آئیڈیل کمال اتاترک ہے۔ اور کمال اتاترک نہ گھر کا رہا اور نہ گھاٹ کا یعنی نہ وہ مسلمان رہا اور نہ وہ انگریز بن سکا۔ قوم کو ہیٹ اور پتلون پہنا کر بھی وہ یورپ کے مقابلہ میں کوئی ترقی نہ کر سکا۔ اس نے تو اتنی مادی ترقی بھی نہیں کی جتنی ملائیشیا اور پاکستان نے کی ہے۔ پھر دین کو چھوڑنے کا کیا فائدہ ہوا۔ اقبالؒ نے صحیح کہا تھا ؎

❶ از: افادات وحید الدین خان ملخصاً

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دیں ہاتھ سے دے کر اگر آزاد ہو ملت
ہے ایسی تجارت میں مسلماں کا خسارہ

قرآن حکیم کی آفاقیت:

قرآن حکیم اگرچہ سائنس یا کسی مخصوص دنیوی فن کی کتاب نہیں ہے بلکہ اس کا اصل موضوع نوع انسانی کی انفرادی اور اجتماعی ہر حیثیت سے ہدایت و راہ نمائی ہے۔ لیکن اس کے باوجود اس میں اصول وکلیات کے روپ میں اس قدر آفاقی حقائق اور ابدی وسرمدی صداقتیں مذکور ہیں جو جدید سے جدید تر علوم وفنون اور ایجادات و اکتشافات کا احاطہ کر لیتے ہیں۔ اسی وجہ سے قرآن حکیم میں احکام شریعت کے پہلو بہ پہلو نظام کائنات کا تذکرہ بھی تمام ضروری تفصیل کے ساتھ موجود ہے۔

قرآن حکیم کو فطرت اور شریعت یا تکوین وتشریع کی آمیزش سے ایک حسین وجمیل اور انمول و لافانی گل دستۂ حیات بنا دیا گیا ہے جو اپنی عطر بیزیوں سے قیامت تک مہکتا اور اس کا شانۂ آب وگل کو ہمیشہ معطر کرتا رہے گا، اور یہ وہ عظیم اور ناقابل فراموش خصوصیت ہے جو قرآن حکیم کے سوا کسی اور الہامی کتاب میں نہیں ہے۔

سائنس کے مسلم دنیا پر اثرات:

1453ء میں سلطان محمد فاتح نے اپنی چوبیس سالہ عمر میں بازنطینی سلطنت کے ناقابل تسخیر دارالسلطنت قسطنطنیہ (موجودہ استنبول) کو فتح کیا تو اس فتح نے مسلمانوں میں ایک نئی امنگ اور ایک نیا جوش پیدا کیا۔ قسطنطنیہ کو فتح کرنا جس کو مسلمان آٹھ سو برس تک بار بار کی کوششوں کے باوجود فتح نہ کر سکے، ان کی قابلیت، قوت اور فنون جنگ میں مرتبۂ اجتہاد میں پہنچ جانے کی دلیل تھی۔ اور یہ ظاہر ہوتا تھا اور حقیقت بھی یہی تھی کہ وہ جنگی سامان اور جنگی طاقت میں اپنی تمام معاصر قوتوں سے فائق تھا۔ چنانچہ ایک دانشور Baron Carra de Vaux اپنی کتاب

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

''مفکرین اسلام'' کے پہلے حصہ میں سلطان محمد فاتح کے تذکرہ میں لکھتا ہے:

''یہ فتح محمد فاتح کو محض بخت و اتفاق سے حاصل نہیں ہوئی تھی اور نہ اس کا سبب محض بازنطینی سلطنت کی کمزوری تھی۔ اصل وجہ یہ تھی کہ سلطان بہت پہلے سے اس کے لیے ضروری انتظامات کر رہا تھا اور اس کے زمانہ میں علم کی جتنی طاقت تھی اس سے کام لے رہا تھا۔ توپیں اس وقت نئی نئی ایجاد ہوئی تھیں۔ اس نے کوشش کی کہ جتنی زبردست اور بڑی توپ اس زمانہ میں بن سکتی ہو، بنائی جائے۔ اس نے اس کے لیے ہنگری (Hungry) کے ایک انجینئر کی خدمات حاصل کیں جس نے اس کے لیے ایک ایسی توپ بنائی جو تین سو کیلوگرام کے وزن کا گولہ پھینکتی تھی اور اس کی مار ایک میل سے زیادہ کی تھی۔ کہا جاتا ہے کہ اس توپ کو کھینچنے کے لیے سات سو آدمیوں کی ضرورت ہوتی تھی اور اس کو بھرنے کے لیے دو گھنٹے درکار ہوتے تھے۔ جب سلطان محمد فاتح قسطنطنیہ فتح کرنے چلا تو اس کی قیادت میں تین لاکھ سپاہی تھے اور زبردست توپ خانہ، اس کا بحری بیڑہ جو قسطنطنیہ کا سمندر کی جانب سے محاصرہ کیے ہوئے تھے، ایک سو بیس جنگی کشتیوں پر مشتمل تھا۔ اس نے اپنی عقل و اجتہاد سے یہ تجویز کیا کہ جنگی بیڑہ کا ایک حصہ خشکی سے خلیج تک پہنچایا جائے۔ اس نے لکڑیوں پر چربی مل کر ستر جہاز قاسم پاشا کی سمت سے سمندر میں اتار دیے۔''

سلطان محمد فاتح سے یورپ اس قدر مرعوب اور خوف زدہ تھا کہ اس کے انتقال پر پاپائے اعظم نے جشن مسرت منانے کا حکم دیا اور فرمان صادر کیا کہ تین روز تک مسلسل شکرانہ کی نمازیں پڑھی جائیں۔ ❶

ایک زمانہ تھا جب ترکی قوم بلند حوصلہ، پرجوش اور ایک زندہ قوم تھی جس میں جہاد کی روح اٹھکیلیاں بھر رہی تھی۔ اس کے پاس جنگی طاقت تھی جس سے وہ اسلام کے مادی اور روحانی تسلط کو پھیلا سکے اور حریف قوموں کی دست درازیوں کو

❶ فلسفہ تاریخ العثمانی، محمد جلیل: ص ۴۷۲

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

روک سکے۔ عثمانی سلاطین تین براعظموں یورپ، ایشیا اور افریقہ میں حکومت کرتے تھے۔ ترکوں کے بحری بیڑہ کا مقابلہ سارا یورپ مل کر بھی نہیں کر سکتا تھا 1547ء میں پاپائے اعظم وینس، اسپین، پرتگال اور مالٹا کی متحدہ بحری طاقت نے اس بیڑہ کو شکست دنیا چاہی لیکن شکست کھائی۔ سلطنت عثمانیہ کا بحری بیڑہ تین ہزار فوجی جہازوں پر مشتمل تھا، اور روم کے علاوہ ہر مشہور شہر حکومت عثمانیہ کے زیر فرمان تھا۔ ❶

''ہر کمالے را زوالے'' ترکوں کی بدقسمتی سے زیادہ مسلمانوں کی بدقسمتی ہے کہ عین ترقی اور عروج کے زمانہ میں ترکوں میں تنزل وانحطاط شروع ہو گیا۔ آپس میں بغض وحسد پیدا ہو گیا۔ بادشاہ جابر اور ظالم ہونے لگے۔ گویا تنزل شدہ قوموں کے پرانے امراض ان میں پیدا ہو گئے۔ سب سے بڑا مرض جو ترکوں میں پیدا ہوا اور یہ مرض آج تمام اسلامی حکمرانوں میں بھی موجود ہے، وہ جمود کا مرض ہے یعنی علم وتعلیم میں بھی جمود اور فنون جنگ اور عسکری تنظیم وترقی میں بھی جمود۔ یہ جمود ان میں اس وجہ سے پیدا ہوا کہ انہوں نے قرآن حکیم کی اس آیت کو بالکل فراموش کر دیا۔

﴿وَأَعِدُّوا لَهُم مَّا اسْتَطَعْتُم مِّن قُوَّةٍ وَمِن رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُونَ بِهِ عَدُوَّ اللَّهِ وَعَدُوَّكُمْ وَآخَرِينَ مِن دُونِهِمْ لَا تَعْلَمُونَهُمْ﴾ ❷

(مسلمانو!) جہاں تک تمہارے بس میں ہے قوت پیدا کر کے اور گھوڑے تیار رکھ کر دشمنوں کے مقابلہ کے لیے اپنا ساز و سامان مہیا کیے رہو کہ اس طرح مستعد رہ کر تم اللہ کے اور اپنے دشمنوں پر اپنی دھاک بٹھائے رکھو گے۔ نیز ان لوگوں کے سوا اوروں پر بھی جن کی تمہیں خبر نہیں۔''

اس جمود کی وجہ سے ترک مطمئن ہو کر بیٹھ گئے۔ وہ اپنی جگہ رہے اور یورپین قومیں کہیں کی کہیں پہنچ گئیں۔

---

❶ فلسفہ التاریخ العثمانی: ص ۲۸۰

❷ الانفال: ۶۰

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یہ علمی جمود اور ذہنی اضمحلال اس وقت صرف ترکی ہی میں نہ تھا بلکہ پورا عالم اسلام مشرق سے مغرب تک اس علمی انحطاط کا شکار تھا۔ عالم اسلام پر ایک عالمگیر جمود اور افسردگی چھائی ہوئی تھی۔ یہ علمی اضمحلال نہ صرف سائنس علوم میں تھا بلکہ علم دین، ادب وشاعری بھی اپنی زندگی کی تازگی کھو چکی تھی اور ان پر تقلید وتتبع کا غلبہ تھا۔ نثر وانشاء پردازی کو تکلف اور تصنع، قافیہ پیمائی، لفظی صناعی اور عبارت آرائی سے بے رونق اور بے روح بنا رکھا تھا۔

یہ وہ دور تھا جس میں قوموں کی تاریخ نئے سرے سے ڈھل رہی تھی۔ اس زمانہ کا ایک ایک لمحہ کئی کئی دن اور ایک ایک دن کئی کئی سالوں کے برابر تھا۔ مسلمانوں نے اس زندگی کے وہ لمحات ضائع کیے جنہوں نے ان کو کئی صدیاں پیچھے دھکیل دیا اور ان کے برعکس یورپین قوموں نے صدیوں کی مسافت برسوں میں طے کی۔

علم وصنعت کے میدان میں ترکوں کی پس ماندگی کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ جہاز سازی کی صنعت ترکی میں سولھویں صدی کے بعد شروع ہوئی۔ اٹھارویں صدی میں ترکی پریس، حفظان صحت کے مراکز اور کیڈٹ کالجوں سے روشناس ہوا تھا۔ اٹھارویں صدی کے آخر تک ترکی ایجادات اور صنعتی ترقیوں سے اس قدر بیگانہ تھا کہ ایک روز قسطنطنیہ کے باشندوں نے ایک غبارے کو پرواز کرتے دیکھا تو اس کو سحر یا کیمیا کی کرشمہ سازی سمجھے۔ جب ترکی کا حال یہ تھا جو تمام عالم اسلام کا مرکز اور قائد تھا تو دوسرے عرب اور اسلامی ممالک کا کیا حال ہوگا؟ وہ تو ترکی کے دست نگر تھے۔

پھر مسلمانوں کا انحطاط اور تنزل صرف حکمت اور علوم نظری اور صنعت و حرفت ہی میں نہ تھا بلکہ ایک ہمہ گیر انحطاط طاری تھا یہاں تک کہ وہ اپنے جنگی فنون سے بھی یورپ سے پیچھے رہ گئے جن میں ترکوں کو درجۂ امامت اور اجتہاد حاصل تھا۔ اس کے برعکس یورپ اپنی ایجاد و اجتہاد اور تنظیم کی بدولت فنون حربیہ میں بھی ترکوں سے بہت آگے نکل گیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس کی فوجوں نے 1774ء میں عثمانی افواج کو شرمناک شکست دی اور دنیا کو یہ بتا دیا کہ ترک جنگی طاقت میں بھی یورپ کی عیسائی قوموں سے بہت پیچھے رہ گئے ہیں۔ اس شرمناک شکست نے اگرچہ عثمانی

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حکومت کی کچھ آنکھیں کھولیں اور انہوں نے چند یورپین ماہرین کی خدمات حاصل کر کے اپنی فوج کی از سر نو تنظیم و تربیت کا کام شروع کیا، لیکن اب بہت وقت گزر چکا تھا اور ان پلوں کے نیچے سے بہت سا پانی بہہ گیا تھا۔ ترکی کی اصلاح و ترقی کا اصل قدم سلطان سلیم ثالث نے انیسویں صدی کے آغاز میں اٹھایا کیونکہ اس کی تعلیم و تربیت قصر شاہی کے بجائے باہر کے ملکوں میں ہوئی تھی۔ اس نے نئے طرز کے مدارس او ریونیورسٹیاں قائم کیں۔ انجینئرنگ کالج میں وہ خود جا کر تعلیم دیتا تھا۔ نظام جدید کے نام سے اس نے ایک نئی فوج کی بنیاد بھی رکھی، اور ملک کے سیاسی نظام میں بھی کچھ تبدیلیاں کیں، لیکن قوم اور سلطنت کے جمود کا یہ عالم تھا کہ پرانی فوج نے بلوہ کر کے سلطان کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ اس اصلاحی مہم میں محمود ثانی (1807 -1839ء) اور اس کے بعد سلطان عبدالمجید (1839-1851ء) نے ترکی کی ترقی میں کچھ حصہ لیا۔ ترکی کے اس علمی جمود اور فنی انحطاط کے نتیجہ میں مغربی اقوام اٹھارویں اور انیسویں صدی میں مراکش، الجزائر، مصر، ہندوستان اور ترکستان وغیرہ پر قابض ہو گئیں۔ اور ترکی کا رہا سہا بھرم کمال اتاترک نے 1934ء میں خلافت ختم کر کے ختم کر دیا۔

یورپ پر سائنس کے اثرات:

سائنس کے یورپ میں پہنچنے سے قبل ہی یورپ کی اخلاقی حالت نہایت ناگفتہ بہ تھی کیونکہ مغربی تہذیب کا شجرۂ نسب یونانی تہذیب سے ملتا ہے اور یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ یونانی تہذیب کے کھنڈر پر رومی تہذیب کی عمارت قائم ہوئی تھی جس میں ایک ہی مغربی روح کام کر رہی تھی۔ مغربی قومیں صدیوں تک ان دونوں تہذیبوں کی خصوصیات اور مزاج، ان کے فلسفہ، علوم و ادب اور افکار و نظریات کو سینہ سے لگائے رہیں۔ انیسویں صدی میں انہیں خصوصیات کے ساتھ انہوں نے ایک نئے لباس میں ظہور کیا۔ اس لباس کی چمک دمک سے یہ دھوکہ ہوتا ہے کہ یہ نیا ہے لیکن دراصل اس کا تانا بانا یونانیوں اور رومیوں کے ہاتھ کا کاتا ہوا ہے۔

یورپ میں سائنسی علوم جانے سے پہلے لوگوں میں رہبانیت کا بہت زور

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تھا۔ راہب لوگ نہایت غلیظ اور گندے ہوتے تھے۔ برسوں غسل نہ کرتے اور نہ ہی منہ دھوتے۔ اس زمانے میں رہبانیت کا ایک جنون تھا جو لوگوں پر سوار تھا جس کا تفصیلی تذکرہ تاریخ اخلاق یورپ میں لیکی نے کیا ہے۔ لیکی کی اس کتاب کو پڑھ کر آج بھی آنکھیں نم ناک ہو جاتی ہیں کہ وہ راہب لوگ عورتوں کے سایہ سے بھی بھاگتے تھے۔ عورت کا سایہ پڑ جانے سے وہ سمجھتے تھے کہ پوری زندگی کی ریاضت اور زہد کی کمائی خاک میں مل جاتی ہے، ماؤں بہنوں اور بیویوں اور حقیقی قریبی رشتہ داروں سے بات کرنا وہ گناہ کبیرہ سمجھتے تھے۔

رہبانیت تو صحراؤں میں تھی لیکن شہروں میں فسق و فجور کا دور دورہ تھا۔ گویا اس زمانہ میں عیسائی دنیا کی اخلاقی حالت نہایت ناگفتہ بہ تھی جس کی مختصر سی تصور پروفیسر لیکی (Lecky) کے ان الفاظ میں ہے:

''اخلاق میں رکاکت و پستی حد درجہ سرایت کر گئی تھی۔ دربار کی عیش پرستیاں، ارکان دربار کی غلام طینتی اور ملبوسات و زیورات کی تزئین و آرائش اپنے شباب پر تھی۔ دنیا اس وقت انتہائی رہبانیت اور انتہائی بدکاری کے تھپیڑوں کے درمیان جھونکے کھا رہی تھی، بلکہ بعض شہر جن میں سب سے زیادہ کثیر التعداد زہاد اور راہبین پیدا ہوئے تھے، وہ وہی تھے جن میں عیش پرستی اور بدچلنی کی سب سے زیادہ گرم بازاری تھی۔ غرض بدکاری اور توہم پرستی کا ایسا اجتماع ہو گیا تھا جس سے انسان کی شرافت و عظمت کو بدنامی اور رسوائی کا مطلق خوف نہیں باقی رہا تھا، البتہ ضمیر کو مذہب کا دھڑکا ہو سکتا تھا، لیکن اسے بھی اس اعتقاد نے مٹا دیا تھا کہ دعاؤں وغیرہ کے ذریعہ سے سارے گناہ معاف ہو سکتے ہیں۔ مکاری، دغابازی اور دروغ گوئی کی وہ گرم بازاری تھی جو قیاصرہ کے زمانہ میں بھی نہ تھی، البتہ ظلم و تشدد، شقاوت و بے حیائی اتنی نہ تھی، لیکن اس کے ساتھ حریت فکر، آزاد خیالی اور جوش قومیت میں بھی کمی تھی۔'' [1]

[1] تاریخ اخلاق یورپ لیکی: ۱۰۴/۲، ترجمہ مولانا عبدالماجد دریابادی

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ارباب کلیسا کی عیش پرستی:

رہبانیت تو سراسر خلاف فطرت تھی لیکن اس کے ساتھ ہی عیسائی ممالک میں ایک اور تحریک معصیت و آزادی کی بھی چل رہی تھی۔ اس دوسری تحریک کی وجہ سے مذہبی مرکزوں اور دینی حلقوں میں عیش پرستی کے وہ تمام عیوب آ گھسے جن سے بچنے کے لیے رہبانیت کی تحریک شروع ہوگئی تھی۔ چنانچہ یہ مذہبی مراکز اور ارباب کلیسا اخلاقی انحطاط اور عیش و تنعم میں دنیا دار حلقوں سے بھی دو قدم آگے نکل گئے۔ بڑی بڑی مذہبی تقریبات بھی فسق و بے حیائی اور عیش و عشرت کا اڈا بن گئیں۔ چنانچہ سینٹ جروم کا مشہور قول ہے کہ ''اہل کلیسا کے تعیش کے سامنے امراء اور دولت مندوں کی عیش و عشرت ایک پرکاہ کی حیثیت نہیں رکھتی۔'' خود پوپ نہ صرف اخلاقی انحطاط کا شکار تھا بلکہ دولت کی ہوس اور مال کی محبت اس پر انتہائی درجہ غالب تھی جس کے نتیجہ میں منصب اور عہدے معمولی سامان تجارت کی طرح بکتے تھے۔ ڈریپر نے معرکہ مذہب و سائنس میں اس کی تفصیل دی ہے۔ جنت کے قبالے، مغفرت کے پروانے، نقض قانون کے اجازت نامے، اور نجات کے سرٹیفکیٹ معمولی دستاویزات کی طرح بے تکلف بکتے تھے۔ مذہبی عہدے دار راشی بھی تھے اور سودخور بھی۔ پاپائے انوسینٹ ہشتم نے تو اپنی فضول خرچی اور عیش و عشرت کے اخراجات کو پورا کرنے کے لیے اپنا پاپائی تاج تک رہن رکھا ہوا تھا۔ بتایا جاتا ہے کہ سلطنت فرانس کی پوری آمدنی بھی ان پاپاؤں کے اخراجات کے لیے کافی نہ ہوتی تھی۔ ❶

سائنس کے یورپ میں داخل ہونے کے ساتھ ساتھ یورپ میں عقلیت کا کوہ آتش فشاں پھٹ چکا تھا۔ علمائے طبیعات اور محققین تقلید کی زنجیریں توڑ چکے تھے۔ انہوں نے اہل کلیسا کے خلاف عقل عقائد کو اپنی علمی تنقید کا نشانہ بنایا اور ان پر بے سمجھے ایمان لانے سے صاف انکار کر دیا۔ اس چیز نے مذہبی حلقوں میں قیامت

❶ معرکہ مذہب و سائنس: ص ۲۳۷

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

برپا کر دی ارباب کلیسا اس زمانہ میں اقتدار و طاقت کے اصل مالک تھے۔ انہوں نے ان لوگوں کی تکفیر کا فتویٰ دیا۔ جس پر احتساب عدالتیں قائم ہوئیں۔ ان عدالتوں نے اپنا فریضہ بڑی سرگرمی اور مستعدی سے انجام دیا، اور تین لاکھ سے زائد لوگوں کو موت کی سزا دی جن میں 32 ہزار کو زندہ جلا دیا گیا۔ ان زندہ جلائے جانے والوں میں علم ہیئت طبیعات کا مشہور عالم برونو (Brunoe) بھی تھا جس کا جرم صرف یہ تھا کہ وہ اس کرۂ ارض کے علاوہ دوسری دنیاؤں اور آبادیوں کا بھی قائل تھا۔ اسی طرح مشہور عالم گلیلیو (Galilio) بھی تھا جس کو اس وجہ سے موت کی سزا دی گئی کہ وہ سورج کے گرد زمین کی گردش کا قائل تھا جس کی تفصیل گذشتہ صفحات میں ذکر کر دی گئی ہے۔

ارباب کلیسیا کے خلاف بغاوت:

ظلم جب حد سے بڑھ جائے تو وہ بغاوت پر منتج ہوتا ہے۔ اہل کلیسا کے ظلم کو دیکھ کر روشن خیالوں اور ترقی پسندوں کا پیمانہ صبر لبریز ہو گیا اور انہوں نے ارباب مذہب کے خلاف علم بغاوت بلند کر دیا۔ انہیں اب مذہبی گروہ کے عقائد، علم، اخلاق اور آداب سے سخت نفرت ہو گئی بلکہ ہر اس چیز سے نفرت ہو گئی جس کی نسبت اس گروہ کی طرف کی جاتی تھی۔ ان لوگوں کے سامنے جب دین و مذہب کا نام آتا تو فوراً نمائندگان مذہب اور ارباب کلیسا کی لرزہ خیز مظالم کی یاد تازہ ہو جاتی اور ان بے گناہ محققین اور دانش وروں کی صورتیں ان کی آنکھوں میں پھر جاتیں جنہوں نے انتہائی مظلومیت کی حالت میں ان جلادوں کے ہاتھوں پر اذیت موت پائی۔

اہل کلیسا کے ظلم و بربریت اور جبر و تشدد نے روشن خیال طبقہ کو اس قدر عجلت پسند بنا دیا کہ وہ یہ سوچ سکیں کہ اس ظلم و تشدد کا باعث اہل کلیسا ہیں یا مذہب۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ یورپ کا رخ مذہب کو خیر باد کہہ کر ایک وسیع اور مکمل مادیت کی طرف چلا گیا۔ ان کی زندگی کے تمام شعبوں میں مادیت غالب آ گئی۔ علماء فلسفہ و علوم طبیعات نے کائنات میں اس طرز پر غور اور بحث کرنی شروع کی کہ گویا نہ اس کا

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کوئی خالق ہے، نہ منتظم و حاکم، اور مادہ کے ماوراء کوئی ایسی طاقت نہیں ہے جو اس عالم میں تصرف اور اس کا نظم ونسق کرتی ہے۔ وہ عالم طبعی اور اس کے ظواہر و آثار کی تشریح وتوجیہ خالص میکانکی طریقہ پر کرنے لگے اور اس کا نام علمی اور تحقیقی طرز قرار پایا۔ اس کا طبعی اور منطقی نتیجہ یہ ہوا کہ خدا کا وجود اور تمام حقائق مابعد الطبیعات ایسے مفروضات بن گئے جن کی گویا علم وعقل سے کوئی تائید نہیں ہوتی۔

مادہ پرستی کا مذہب:

ان لوگوں نے ایک زمانہ دراز تک خدا کا انکار نہیں کیا اور مذہب سے اعلان جنگ بھی نہیں کیا۔ لیکن یورپ کی نشأۃ ثانیہ کے بعد کے لوگ مدت دراز تک مادی نقطۂ نگاہ، مادی زندگی اور مسیحی اعمال ورسوم کو جمع کرنے کی کوشش کرتے رہے، اسی زمانہ میں یورپ کے ہر گوشہ میں بہت بڑی تعداد میں ایسے مصنف، ادیب، اجتماعی اور سیاسی معلم پیدا ہوئے جنہوں نے لوگوں کے ذہنوں میں مادیت کا صور پھونکا اور اہل ملک کے دل و دماغ میں مادہ پرستی کی تخم ریزی کر دی۔ میکاولی جیسے اہل سیاست نے دین وسیاست کی تفریق کی دعوت پہلے ہی دے دی تھی اور اخلاق کی دو قسمیں قرار دی تھیں۔ پبلک اور پرائیویٹ، اور مذہب کو انسان کا ایک پرائیویٹ معاملہ قرار دے دیا گیا۔ اس کو امور سیاست میں کوئی دخل نہیں دینا چاہیے۔ حکومت ہر شے پر مقدم ہے اور ہر چیز سے بیش قیمت ہے۔ مذہب کا تعلق دوسری زندگی سے ہے۔ ہماری دنیوی زندگی سے اس کو کوئی سروکار نہیں۔ مذہبی اور نیکوکار انسانوں کا وجود حکومت کے لیے چنداں مفید نہیں، اس لیے کہ وہ دین کے احکام کے پابند ہوتے ہیں اور ضرورت کے وقت اخلاقی اصولوں کو نظر انداز نہیں کر سکتے جب کہ بادشاہوں کے لیے کوئی اخلاقی اصول نہیں ہوتے وہ سیاسی مصلحت کے لیے دروغ گوئی، فریب دہی، خیانت اور نفاق غرضیکہ ہر غیر اخلاقی بات اختیار کر سکتے ہیں۔ اس نظریہ کو مصنفین، اہل قلم اور اہل دماغ اور اپنی جادو بیانی، سحر طرازی اور خطابت وشاعری نے خوش نما اور دل فریب الفاظ اور انداز میں لوگوں

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے سامنے پیش کیا اور اس کے ساتھ مطلق آزادی، زندگی سے پورے پورے تمتع اور مطالبات نفس کی پوری تکمیل اور لذت پرستی کی علانیہ دعوت دی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ پورے یورپ اور امریکہ میں مادیت پرستی، لذت طلبی اور ذواتی پھیل گئی۔

یورپ کا موجودہ مذہب:

اب یورپ کا موجودہ مذہب جس کی دلوں اور روح پر حکومت ہے، وہ مسیحیت نہیں بلکہ مادہ پرستی ہے۔ چنانچہ اس بارے میں محمد اسد نے لکھا ہے:

''اس بات میں کوئی شبہ نہیں کہ یورپ میں اس وقت بھی ایسے لوگ پائے جاتے ہیں جو مذہبی طریق پر سوچتے ہیں اور دل میں مذہبی احساس رکھتے ہیں، اور اپنے عقائد کو اپنی تہذیب کی روح کے ساتھ منطبق کرنے میں امکانی کوشش کرتے ہیں، لیکن یہ مستثنیٰ مثالیں ہیں۔ یورپ کا عام اور متوسط آدمی، وہ جمہوری ہو یا فاشستی، سرمایہ دار ہو یا اشتراکی، ہاتھ سے کام کرنے والا ہو یا دماغی محنت کرنے والا، وہ ایک ہی مذہب جانتا ہے۔ وہ کیا؟ مادی ترقی کی پرستش اور یہ عقیدہ کہ اس زندگی کی غرض و غایت اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ اس کو زیادہ سے زیادہ آسان اور پر راحت اور آزاد اور بے قید بنائے، اس مذہب کے گرجے اور عبادت گاہیں زبردست اور بڑے بڑے کارخانے ہیں۔ تھیٹر اور تفریح گاہیں، کیمیاوی دارالصنعت، ناچ گھر اور بجلی کے مرکز، اس مذہب کے پروہت بنکوں کے افسران ہیں۔ انجینئر، اداکار عورتیں، فلم اسٹارز اور تجارت و صنعت کی بڑی بڑی مرکزی شخصیتیں اور رکارڈ قائم کرنے والے ہوا باز ہیں۔ طاقت ولذت کی اس ہوس اور چٹور پن کا یہ لازمی نتیجہ ہے کہ حریف گروہ سامان جنگ سے لیس اور جنگی تیاریوں سے مکمل تیار کھڑے ہیں اور ایک دوسرے کو تباہ کر دینے کے لیے پرتول رہے ہیں۔ اگر ان کی خواہشات اور مصالح میں تصادم ہو گیا، اور جہاں تک تہذیب کا تعلق ہے انسانوں کا

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ایک ایسا ٹائپ پیدا ہوا ہے جس کا عقیدہ ہے کہ نیکی اور اخلاق نام ہے عملی فائدہ کا۔ اس کے نزدیک معیار محض مادی کامیابی ہے۔'' ❶

مال و زر کی پرستش:

جب اللہ اور اس کے رسولؐ اور یوم آخرت پر سے ایمان اٹھ جائے اور زندگی کا مقصد صرف دنیوی آسائش اور آسودگی ہو تو انسان مال و زر کی پرستش کرنے لگتا ہے اور اللہ کی پرستش میں اسے کوئی دنیوی فائدہ نظر نہیں آتا۔ چنانچہ پروفیسر جوڈ (Joad) نے جو لندن یونیورسٹی میں شعبہ فلسفہ اور علم النفس کے صدر ہیں، انہوں نے صاف لفظوں میں لکھا ہے:

''صدیوں سے انگلستان کے تخیل پر زر اندوزی کا اصول غالب ہے۔ حصول دولت کی خواہش گذشتہ دو سو سال سے دوسرے تمام محرکات سے زیادہ کام کرتی رہی ہے کیونکہ دولت حصول ملکیت کا ذریعہ ہے، اور ذاتی ملکیت کی بہتات اور شان و عظمت ہی سے انسان کی قابلیت کا اندازہ کیا جاتا ہے۔ سیاسیات، ادب، سینما، ریڈیو اور کبھی کبھی کلیساؤں کے منبروں سے ہر سال اپنے پڑھنے سننے والوں کو یہی تعلیم دی جاتی رہی ہے کہ دنیا میں مہذب قوم وہی ہے جس میں جذبہ حصول زر انتہائی طور پر ترقی کر چکا ہے۔'' ❷

ممتاز امریکی اخبار نویس جان گنتھر نے اپنی کتاب Inside Europe میں اس زر پرستی کا ان الفاظ میں ذکر کیا ہے:

''انگریز ہفتہ میں چھ روز بنک آف انگلینڈ کی پرستش کرتا رہتا ہے۔ صرف ساتویں روز کلیسائے انگلستان کا رخ کرتا ہے۔''

موجودہ مغربی تہذیب نے علم و صنعت اور اخلاق و انسانیت کے مابین جو عظیم فاصلہ پیدا کر دیا ہے اور یہ تہذیب انسانیت کی صحیح خدمت کرنے میں جس

❶ Islam at the Cross roods. P.50

❷ Joad: Philosaphy for our times. P.114

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

طرح ناکام رہی ہے، اس پر تبصرہ کرتے ہوئے نوبل انعام یافتہ مغربی دانشور ڈاکٹر الیکس کیرل (Alexis Carrel) نے اپنی کتاب Man the Unknown میں لکھا ہے:

''موجودہ زندگی انسان کو ترغیب دیتی ہے کہ وہ دولت کو ہر ممکن ذریعہ سے حاصل کرے لیکن یہ ذرائع انسان کو دولت کے مقصد تک نہیں پہنچاتے۔ یہ انسان میں ایک دائمی ہیجان اور جنسی خواہشات کی تسکین کا ایک سطحی جذبہ پیدا کرتے ہیں۔ ان کے اثر سے انسان صبر وضبط سے خالی ہو جاتا ہے اور ہر ایسے کام سے گریز کرنے لگتا ہے جو ذرا دشوار اور صبر آزما ہو۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تہذیب جدید ایسے انسان پیدا ہی نہیں کر سکتی جن میں فنی تخلیق، ذکاوت اور جرأت ہو۔ ہر ملک کے صاحب اقتدار طبقہ میں جس کے ہاتھ میں ملک کی باگ ڈور ہے، ذہنی اور اخلاقی قابلیت میں نمایاں انحطاط نظر آتا ہے۔ ہم محسوس کر رہے ہیں کہ تہذیب جدید نے ان بڑی بڑی امیدوں کو پورا نہیں کیا جو انسانیت نے اس سے وابستہ کی تھیں، اور وہ ان لوگوں کو پیدا کرنے میں ناکام رہی جو ذہانت اور جرأت کے مالک ہوں اور تہذیب کو اس دشوار گزار راستہ پر سلامتی کے ساتھ لے جا سکیں جس پر آج وہ ٹھوکریں کھا رہی ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ افراد انسانی نے اس تیزی کے ساتھ ترقی نہیں کی جس تیزی کے ساتھ ان اداروں (Institutions) نے ترقی کی ہے جو انسانی دماغ کا نتیجہ ہیں۔ یہ دراصل سیاسی راہ نماؤں کے ذہنی اور اخلاقی نقصائص کا نتیجہ ہے اور ان کی اس جہالت کا جس نے موجودہ اقوام کو خطرہ میں مبتلا کر دیا ہے۔ طبعی علوم اور صنعتی فنون نے انسان کے لیے جو ماحول تیار کیا ہے وہ انسان کے مناسب حال نہیں ہے، اس لیے کہ وہ برجستہ ہے، کسی سابقہ نقشہ یا غور وفکر پر مبنی نہیں۔

اور اس میں انسان کی شخصیت کے ساتھ مطابقت کا لحاظ نہیں رکھا گیا۔ یہ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ماحول جو محض ہماری ذہانت اور ایجادات کی تخلیق ہے، ہمارے قد وقامت اور ہماری صورت کے مطابق نہیں۔ ہم مسرور نہیں ہیں، ہم ایک روز افزوں اخلاقی اور عقلی انحطاط میں مبتلا ہیں۔ جن قوموں میں صنعتی تمدن پھلا پھولا اور اپنے عروج کو پہنچا ہے وہ پہلے سے بہت کمزور ہیں اور وہ بڑی تیز رفتاری کے ساتھ وحشت و بربریت کی طرف بڑھ رہی ہیں، لیکن ان کو اس کا احساس نہیں۔ ان کو اس وقت اس باغی دشمن انسانیت ماحول سے کوئی قوت بچا نہیں سکتی جو طبعی علوم نے ان کے گرد حصار کی طرح کھینچ دیا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ ہماری تہذیب نے گذشتہ تہذیبوں کی طرح زندگی کے لیے ایسی شرطیں عائد کر دی ہیں جو بعض نامعلوم اسباب کی بنا پر زندگی کو ناممکن العمل بنا دیں گی۔ ہم مادیت کا جتنا علم رکھتے ہیں اس کے مقابلہ میں زندگی کا علم اور یہ کہ انسان کو کس طرح زندگی گزارنی چاہیے، بہت کم علم رکھتے ہیں، اور ہمارا علم اس بارے میں ابھی تک بہت پیچھے ہے، اور اس کم علمی کا نقصان ہم بھگت رہے ہیں۔

ایجادات و اکتشافات میں جس تیزی کے ساتھ اضافہ ہو رہا ہے اس سے فائدہ نہیں اٹھایا جا رہا ہے۔ طبعی علوم فلکیات اور علم الکیمیا کے اکتشافات کو زیادہ اہمیت دینے سے کچھ فائدہ نہیں۔ راحت، تعیش، جمال، جسامت اور تکلفات زندگی میں اضافہ۔ اس ترقی سے کیا فائدہ جب ہمارا ضعف اس سے فائدہ نہ اٹھانے دے اور ہم اس کو صحیح راستہ پر نہ لگا سکیں۔ ایسے نظام زندگی کو مستحکم سے مستحکم تر بنانے سے کیا فائدہ جس سے اخلاقی پہلو بالکل خارج کر دیا جائے اور عظیم قوموں کی بہترین صفات نکال دی جائیں۔ ہمارے لیے مناسب بات یہ تھی کہ تیز رفتار جہازوں، زیادہ آرام دہ موٹروں، زیادہ ارزاں ریڈیو اور زیادہ عمدہ رصدگاہوں کے بجائے اپنے آپ کی طرف زیادہ توجہ کریں۔ میکانکی، طبیعی اور کیمیاوی

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

علوم کے بس میں یہ نہیں ہے کہ وہ ہم کو ذہانت بخش دیں اور اخلاقی نظام، اعصابی توازن اور امن وسکون عطا کریں۔'' ❶

یہ مغربی تہذیب جس کے نقائص او رمثالب مغرب کا ایک نوبل انعام یافتہ شخص کر رہا، اس نے نہایت غور وفکر اور گہرائی اور گیرائی سے تہذیب کا مطالعہ کر کے یہ سب کچھ لکھا ہے۔ سائنس کی یہ ایجادات جس نے آج مادی طور پر یورپ اور امریکہ کو تمام دنیا پر غلبہ دیا ہوا ہے، یہ مصنوعات وایجادات انسان کی عقل اور اس کے اخلاق کے تابع ہیں۔ انسان ہی اس کو خیر اور شر بناتا ہے، مثال کے طور پر ہوائی جہاز جو فضائے آسمانی میں منڈلا رہا ہے، اس کے موجد نے اس کو سفر کی آسانی اور سرعت کے لیے بنایا تھا، لیکن اب انسان نے اپنے ذہنی شر کی بنیاد پر بمباری کے لیے استعمال کیا۔ اس نے فضائے آسمانی سے بمباری کر کے انسانوں کے جسموں کے ٹکڑے اڑائے، زندوں کا گلا گھونٹا، انسانی جسموں کو جلا دیا، زہریلی گیسوں کو کمزور انسانوں پر پھینکا۔ ہوائی جہاز کا یہ مقصد یا تو احمقوں کا ہوسکتا ہے یا پھر شیاطین کا۔

سائنس کی ایجادات نے مغربی قوموں میں خیر کی طرف میلان اور بھلائی کا رجحان بہت کم کر دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اخلاق وتمدن کے صحیح اصول ومبادی کا سرشتہ ان کے ہاتھ سے مدت ہوئی چھوٹ گیا۔ ذوق فاسد ہو گئے۔ جس طرح وبائی امراض میں اچھی اور صالح غذا مریض کے معدہ میں پہنچ کر مسموم اور فاسد ہو جاتی ہے اسی طرح علوم وفنون، صنعتیں، ایجادات اور اکتشافات اور علمی ترقیاں یورپ میں خود اہل یورپ کے لیے اور عام انسانیت کے لیے وبال جان بن گئی ہیں۔ مثال کے طور پر کئی سال کی جدوجہد اور کروڑوں ڈالر خرچ کر کے امریکہ نے ایٹم بم ایجاد کیا جس پر دوسری جنگ عظیم کی فتح وشکست کا انحصار تھا۔ 16 جولائی 1945ء کو اس بم کا تجربہ کیا گیا۔ پھر اس کا دوسرا تجربہ 16 اگست 1945ء کو جاپان کے بدقسمت شہر ہیروشیما پر کیا گیا۔ اس بم کے گرتے ہی شہر تودۂ خاک بن گیا اور دنیا نے دیکھا کہ آن کی آن میں انسان، حیوان، عمارتیں سب صفحۂ ہستی سے مٹ گئیں۔ گرد وغبار

❶ Man the Unknown. P.62

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کا جھلستا، ابلتا اور کھولتا ہوا میلوں اونچا ایک پہاڑ تھا اور اس پہاڑ کے نیچے جہنم کی سی آگ تھی جس نے ہر چیز کو خاکستر بنا دیا۔ دھماکہ اتنا مہیب اور شدید تھا کہ بم گرانے والوں کا پتہ پانی تھا۔ ہیروشیما کی میونسپلٹی کے صدر نے 20 اگست 1949ء کو اعلان کیا تھا کہ 16 اگست 1945 کو ایٹم بم سے ہلاک ہونے والوں کی تعداد 2 لاکھ 10 ہزار اور 2 لاکھ 40 ہزار کے درمیان تھی۔ اس ایٹم بم پھینکنے میں جو ہوا باز شریک تھے، ان کا بیان ہے کہ اس بم کے گرنے کے بعد غبار اور دھواں 9 میل تک ہوا میں پھیل گیا۔ پروفیسر Pleseh کی رائے ہے کہ جس جگہ بم پھٹے اس کے قرب و جوار میں سو میل کے علاقہ کے رہنے والوں کی سائیٹفک طریقہ پر جانچ پڑتال کرنی چاہیے اور ان کی جسمانی حالت کو نہایت غور سے دیکھنا چاہیے کہ کہیں ان پر اس کا اثر تو نہیں ہو گیا۔

روحانی اقدار کی تباہی:

اس تہذیب جدید نے کچھ دانشور ایسے بھی پیدا کیے جنہوں نے انسان کو ایک جانور ثابت کیا حالانکہ انسان محض ایک حیوانی وجود یا ڈارون کے نظریہ کے مطابق ایک بڑھیا جانور (Higher Animal) ہی نہیں بلکہ وہ نطق و گویائی سے بھی متصف ہے۔ وہ محض گوشت پوست اور خون اور ہڈیوں ہی سے مرکب نہیں بلکہ عقل و شعور اور فہم و ادراک کی قوتوں سے بھی مالا مال ہے۔ وہ محض ایک جانور ہی نہیں بلکہ ایک ایسے حیرت انگیز ذہن و دماغ کا بھی مالک ہے جس کی وجہ سے وہ کسی بھی چیز کے متعلق مختلف خیالات و نظریات قائم کرتا اور منطق و استدلال سے کام لیتا اور خیر و شر میں تمیز کرتا ہے۔ مختصر یہ کہ انسان کا ظاہری اور جسمانی نظام اگر ایک حقیقت ہے تو اس کا باطنی اور اندرونی نظام بھی ایک نا قابل تردید حقیقت ہے۔ اگر ظاہری نظام کو ہم ''جسم'' سے تعبیر کرتے ہیں تو دوسرے نظام کو ''روح'' سے موسوم کرتے ہیں۔ کھانا، پینا، سونا، جاگنا، شادی بیاہ کرنا اور جسمانی راحت و آرام وغیرہ جسم کے مظاہر ہیں تو سوچنا، غور و فکر کرنا، نطق و گویائی، عقل و شعور اور دلیل و استدلال

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وغیرہ سے کام لینا روح کے خواص ہیں۔ اول سے جسم نشو ونما پاتا ہے تو دوسرے سے روح کی آبیاری ہوتی ہے۔ روح کے خواص واثرات ہی انسان کے عمل وکردار کو جنم دیتے اور اس کے لیے راہ عمل متعین کرتے ہیں۔ روح کا یہ عمل جب اپنی صحیح سمت اور صحیح رخ میں رواں رہتا ہے تو اس سے حسن اخلاق اور تہذیب وشائستگی کے چشمے پھوٹتے ہیں، لیکن جب اس کا رخ اور بہاؤ غلط سمت کی طرف ہو جاتا ہے تو پھر بداخلاقی اور حیوانیت کو عروج ہونے لگتا ہے۔ یہی وہ نقطہ ہے جہاں سے حیوانیت اور انسانیت کی راہیں الگ الگ ہوتی ہیں۔ اس دوآہے پر پہنچ کر ''ڈارونیت'' اور ''آدمیت'' کی منزلیں الگ الگ نظر آنے لگتی ہیں، اور یہی وہ مرکزی مقام ہے جہاں پر انسان باقی تمام انواع حیات سے نمایاں اور ممتاز نظر آنے لگتا ہے، اور لاکھوں انواع حیات میں یہ مرتبہ اور مقام سوائے انسان کے اور کسی کو حاصل نہیں ہوسکا۔ چنانچہ ارشاد خداوندی ہے:

﴿وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْ آدَمَ وَحَمَلْنَاهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنَاهُمْ مِّنَ الطَّيِّبَاتِ وَفَضَّلْنَاهُمْ عَلَى كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلاً﴾ ❶

''یعنی اور ہم نے آدم کی اولاد کو یقیناً عزت بخشی اور انہیں بحر وبر میں سواریاں عطا کیں (خوردونوش کی) عمدہ چیزوں سے انہیں نوازا اور بہت سی مخلوقات پر انہیں کلی فضیلت بخشی۔''

ایک المیہ:

یہ ایک المیہ ہے کہ مغربی تہذیب میں جسم کی نشو ونما اور اس کی آرائش و زیبائش پر تو بہت زور دیا جاتا ہے۔ چنانچہ سائنس کی قریباً تمام ترقیاں، ایجادات و اکتشافات جسم انسانی کو زیادہ سے زیادہ آرام وآسائش پہنچانے ہی کے لیے ہو رہی ہیں، لیکن اروح اور اس کی غذا کو یک قلم نظر انداز کر دیا گیا ہے، حالانکہ سب سے

❶ بنی اسرائیل: ۷۰

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

زیادہ زور اسی بات پر دینا چاہیے تھا۔ اس کوتاہی کے باعث جسم اور روح کا توازن بگڑ گیا ہے جس کی وجہ سے انسان قعر مذلت میں گر گیا ہے۔

مغربی تہذیب یا تہذیب جدید کے علم برداروں نے مذہب سے بغاوت کر کے اور مادیت میں منہمک ہو کر روح اور اس کے مظاہر کو سمجھنے میں دانستہ یا نادانستہ طور پر سخت ٹھوکر کھائی ہے، اور مادہ اور اس کے مظاہر کو سب کچھ قرار دے کر انسان کو اخلاقی حدود و قیود سے یکسر آزاد کر دیا ہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ انسانی معاشرہ میں ایک خوفناک قسم کی بے یقینی پھیل گئی۔ انسانیت دکھی ہو گئی اور پورے معاشرہ میں مایوسی اور بے چینی کے جراثیم سرایت کر گئے۔ ان سب اسباب و محرکات نے مل کر خود غرضیوں اور تن آسانیوں کو جنم دیا۔ جب کوئی مقصد حیات ہی نہ رہا اور زندگی کے مصائب و آلام میں سہارا دینے والی ہستی کا مرکزی تصور ہی سرے سے مفقود ہو گیا تو پھر غم غلط کرنے اور سموم و افکار سے پیچھا چھڑانے کے لیے عیاشیوں اور خرمستیوں کے نئے نئے طریقے ایجاد کیے گئے اور عشرت کدوں کو نئے سرے سے اس طرح آراستہ کیا گیا کہ حیوانیت کے سابقہ تمام ریکارڈ ٹوٹ گئے یا پھر حیوانیت کو بھی انسانیت سے شرم آنے لگے۔ اور بقول علامہ اقبال ؎

حیات تازہ اپنے ساتھ لائی لذتیں کیا کیا
رقابت، خود فروشی، ناشکیبائی، ہوس ناکی

ایک طرف تو یہ حالت تھی اور دوسری طرف طبیعی اور اجتماعی علوم کی بڑی ترقی اور فراوانی ہوئی اور علم کے ہر شعبہ میں ''معلومات'' کا ایک انبار لگ گیا۔ لیکن اس بے مثال علمی ترقی اور عقلی ارتقاء کے باوجود انسان نہ تو مادہ اور اس کے مظاہر ہی کے بارے میں مکمل علم حاصل کر سکا اور نہ روح اور اس کے مظاہر ہی کو کما حقہ سمجھ سکا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ انسانی علم مسلسل اور لگاتار ارتقائی منزلوں سے گزر رہا ہے اور اس کا یہ علمی سفر کہیں رکتا ہوا یا اپنی آخری سرحدوں تک پہنچتا ہوا دکھائی نہیں دیتا جس کے باعث یہ فیصلہ کر دیا جائے کہ اب مزید تلاش و جستجو کی ضرورت باقی نہیں رہی۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

انسان نے تمام علوم پڑھ لیے اور قدرت کے بہت سے مخفی رازوں کو بے نقاب کر دیا لیکن خود اپنے آپ سے غافل رہا۔ نہ اپنی ہستی کو سمجھ سکا اور نہ ہی اپنے نفس کا عرفان حاصل کر سکا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ آج انسان کا خود اپنا وجود اس کی نظروں میں ایک راز بنا ہوا ہے۔ قدرت کا ایک ایسا مخفی بھید بنا ہوا ہے جو کسی طرح کھلتا نظر نہیں آتا۔ علم کی ترقی جس نسبت سے ہو رہی ہے اسی نسبت سے اس کا وجود مزید پراسرار بنتا جا رہا ہے۔ اقبال نے سچ کہا ؎

ڈھونڈنے والا ستاروں کی گذر گاہوں کا
اپنے افکار کی دنیا میں سفر کر نہ سکا
اپنی حکمت کے خم و پیچ میں الجھا ایسا
آج تک فیصلۂ نفع و ضرر کر نہ سکا
جس نے سورج کی شعاعوں کو گرفتار کیا
زندگی کی شب تاریک سحر کر نہ سکا

آج انسانی تمدن بے انتہا ترقی کر گیا اور اس کا ظاہری اور مادی علم انتہائی بلندیوں کو چھو رہا ہے۔ چنانچہ وہ مادی قوتوں کو زیر کر کے اجرام سماوی پر ڈورے ڈال رہا ہے اور کہکشاؤں میں تانک جھانک کر رہا ہے، لیکن اس کے برعکس اس کی روحانی ترقیاں ختم ہو گئی ہیں بلکہ تنزل پذیر ہیں۔ اس کی روح کی غذا مفقود ہو گئی ہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ روح اور جسم کے مابین فاصلہ بڑھتا ہی چلا گیا اور چلا جا رہا ہے اور انسانیت کی منزل نظروں سے اوجھل ہوتی جا رہی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ آج کا انسان ایک دوراہے پر کھڑا ہے اور اس کو اپنی منزل کی کچھ خبر نہیں اور نہ وہ یہ جانتا ہے کہ وہ کدھر جا رہا ہے؟ عقلاء اور دانشور حیران و سرگرداں ہیں کہ اس کی اصل منزل کیا ہے اور کیا ہونی چاہیے۔ ہر طرف بے یقینی، ظن و تخمین، تشکیک و ارتیاب اور تخیلات و مفروضات کی گھٹائیں چھائی ہوئی ہیں۔ بے چینی، عدم طمانیت، ذہنی پراگندگی، غیر اطمینانی اور انتشار و اضطراب کی ایک عجیب و غریب کیفیت ہے جو پورے عالم انسانی پر طاری ہوتی جا رہی ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تہذیب جدید کے یہ لادینی اور عالم گیر سوغات ہیں جنہوں نے ذہنوں کو مفلوج و ماؤف کر دیا ہے اور پورا ماحول مسموم و زہر آلود ہو چکا ہے۔ بقول حکیم مشرق ؎

یہ عیش فراواں یہ حکومت، یہ تجارت
دل سینۂ بے نور میں محروم تسلی
تاریک ہے افرنگ مشینوں کے دھویں سے
یہ وادیٔ ایمن نہیں شایان تجلی

تہذیب مغرب کا سب سے بڑا نقاد:

تہذیب مغرب جس نے نمود و نمائش، عیش کوشی، مادیت، نظریہ بقائے اصلح (Might is Right) اور علاقہ پرستی کے سوا دنیا کو اور کچھ نہیں دیا۔ اس تہذیب نے خدا، آخرت، جزا و سزا اور نیکی بدی کی تمام اقدار کو انسان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی سے معدوم کر دیا اور مادہ پرستی، خود غرضی، نفع اندوزی کو انسان پر ایسا مستولی کیا کہ جس کی لاٹھی اس کی بھینس کا بنیادی اصول اس تہذیب کا بنیادی نشان بن گیا۔ ذاتی اور اجتماعی فائدے کے لیے دھوکہ، جھوٹ، فریب، ظلم و ستم، اور انسانیت کی بربادی یہ سب چیزیں جائز قرار پائیں۔ روح کے تقاضے دم توڑ گئے اور جسمانی عیش و عشرت اور تفریح پسندی انسانوں کی تگ و دو کا محور و مرکز بن گئے، اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ انسانی احترام، عورت کا تقدس، بچوں کی معصومیت، جوانی کی عصمت، بڑھاپے کا وقار، یہاں تک کہ خاندانی زندگی کا حسن و سکون اس کے علم برداروں کی نفس پرستی، تنگ نظری اور خود غرضی کی بھینٹ چڑھ گئے۔

اس تہذیب کے سب سے بڑے نقاد حکیم مشرق علامہ اقبالؒ تھے۔ اقبال قدیم اور جدید دونوں پر حاوی تھے۔ انہوں نے زندگی کے کئی سال یورپ میں گزارے اور اس تہذیب جدید کو بڑے قریب سے دیکھا۔ اس کے نشیب و فراز سے آشنائی حاصل کی، لیکن آپ نے تہذیب جدید میں جو خرابیاں دیکھیں تو علی الاعلان کہا:

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دیارِ مغرب کے رہنے والو! خدا کی بستی دکاں نہیں ہے
کھرا جسے تم سمجھ رہے ہو، وہ اب زرِ کم عیار ہو گا
تمہاری تہذیب اپنے ہاتھوں سے آپ ہی خودکشی کرے گی
جو شاخِ نازک پہ آشیانہ بنے گا نا پائیدار ہو گا

اقبال مغربی تہذیب کے کیوں مخالف تھے؟ اس کا تذکرہ تو آئندہ صفحات میں اجمالی طور پر کیا جائے گا لیکن بقول ڈاکٹر سید عبداللہ اس تہذیب نے جو ہمہ گیر انتشار پیدا کیا وہ ''نسلِ انسانی کے لیے نعمت نہیں، لعنت کا درجہ رکھتا ہے اگرچہ ایشیا اور افریقہ کے مسکین و یتیم اسی کو ترقی سمجھ رہے ہیں۔'' ❶

اس تہذیب کا سب سے زیادہ خراب پہلو مادیت پرستی (Materialism) ہے جس سے پھر آگے بہت سی خرابیاں پیدا ہوتی ہیں۔ اس میں غایت حیات صرف یہی ہے کہ وہ زندگی کو زیادہ سے زیادہ آسان، اور پر راحت بنا سکے۔ اسی مقصد کے لیے سائنسی ایجادات کی گئیں۔ اس کے معابد بڑے بڑے کارخانے، کیمیاوی فیکٹریاں، ڈانسنگ کلب ہیں اور اس تہذیب کے پیشوا بینکوں کے افسر، انجینئر، اداکار اور بڑی بڑی صنعتوں کے ناظمین اور ریکارڈ قائم کرنے والے ہوا باز ہیں۔ اس تہذیب کا یہ بھی ایک نتیجہ ہے کہ حریف گروہ سامانِ جنگ سے لیس اور جنگی تیاریوں سے مکمل تیار کھڑے ہیں تاکہ جب کبھی ان کے مصالح میں تصادم ہو تو بغیر کسی تاخیر کے ایک دوسرے کو تباہ کر دیں۔ اس تہذیب و تمدن میں انسان کے نزدیک نیکی اور اخلاق کا اصل پیمانہ صرف ذاتی مفاد ہے۔

اس تہذیب میں معاشی معاملات دوسرے تمام معاملات کے مقابلہ میں زیادہ اہم ہیں اور ایک چینی مفکر لن یوٹانگ (Linyutong) کے مطابق ''ہماری زندگی کا سب سے بڑا مقصد ایک اچھا کاروبار ہے اور اس دور میں اخلاقی اور روحانی قدروں کا دیوالہ نکل چکا ہے۔ ہمارے ذہنوں میں جنت کا تخیل بھی اس کے سوا اور کچھ نہیں ہوتا کہ یہ ایک ایسا گودام ہے جس میں مال ہی مال بھرا ہوا ہے۔ اس

❶ اقبال کی تنقید مغرب اور اس کی معنویت: ص ۱۳

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وقت پوری دنیا ایک کاروبار ہے۔ سیاسی کاروبار یا معاشی کاروبار، ایک قوم، ایک کارخانہ اور ایک حکومت وہ میز ہے جس پر لین دین کیا جاتا ہے اور اس کے سیاست دان اس کارخانے کے سیلز مین ہیں جو ہر وقت اس ٹوہ میں رہتے ہیں کہ اپنے مال کو دوسری منڈیوں میں اوروں کی نسبت زیادہ فروخت کریں۔''

یورپ جب قرون مظلمہ (Dark Ages) سے نکلا اور اسلامی اندلس کی عظیم درس گاہوں اور مسلمان سائنس دانوں کی وجہ سے وہاں علوم وفنون کو ترقی حاصل ہوئی تو مذہب اور اخلاق کی موت اور تباہی کی وجہ سے یورپ کی اس روشنی نے دنیا کو اندھیروں کے سوا کچھ نہ دیا۔ یہ یورپی قومیں جب اپنے ملکوں سے باہر نکلیں تو یہ دنیا والوں اور ان کی تہذیبی، تمدنی، مذہبی اور اخلاقی اقدار کے لیے تاتاریوں سے زیادہ تباہ کن ثابت ہوئیں، اور دنیا کے لوگوں پر وہ وہ مظالم توڑے کہ چنگیز خان اور ہلاکو خان کی روحیں بھی کانپ اٹھیں۔ مغربی تہذیب کے شجر خبیثہ نے وقت کے ساتھ ساتھ دنیائے انسانیت کو جو برگ و بار دیئے وہ بڑے خوفناک اور بھیانک تھے، اور تاریخ انسانی کے سیاہ ترین ادوار میں بھی اس کی مثالیں نہیں ملتیں۔

یورپ کا انسان تمام تر مادی سہولتوں کے باوجود آج بے حد دکھی اور پریشان حال ہے۔ بوڑھے لوگ خاندانی زندگی برہم ہونے کی وجہ سے بوڑھے خانوں میں ذہنی مریض بن کر زندہ درگور ہو جاتے ہیں اور سال میں ایک دفعہ بھی ان کا کوئی بیٹا، بیٹی یا پوتا پوتی ان کو ملنے کی زحمت گوارا نہیں کرتا۔ نوجوان مرد اپنی بیویوں کو چھوڑ کر دوسری نوعمر لڑکیوں کو پھانستے رہتے ہیں جس کے نتیجہ میں ان کی بیویاں نفسیاتی اور جسمانی امراض کا شکار ہو جاتی ہیں۔ اسی ذہنی پریشانی کی وجہ سے صرف امریکہ میں ہر سال 75 ہزار سے زائد عورتیں حرکت قلب بند ہونے یا دماغی شریان پھٹنے سے موت کے منہ میں چلی جاتی ہیں۔ اسی مغربی تہذیب کے یہ برگ و بار ہیں کہ امریکہ کے باپ اپنے بچوں کو 24 گھنٹوں میں سے صرف سات منٹ جب کہ امریکی مائیں صرف تیس منٹ دیتی ہیں۔ ❶

❶ الرسالہ دہلی، جولائی ۱۹۹۱ء

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ایک اور جائزے کے مطابق امریکہ میں 32 ملین بچے والدین کی شفقت سے محروم کس مپرسی کی زندگی گزار رہے ہیں۔

پاکستان میں تہذیب جدید کی دلدادہ عورتیں جو دن رات یورپ اور امریکہ میں عورتوں کی آزادی کے گن گاتی رہتی ہیں، وہ شاید اس بات سے آشنا نہیں کہ امریکہ اور یورپ کے مہذب معاشروں میں عورتوں کے ساتھ جو سلوک روا رکھا جاتا ہے، اس کا اندازہ FBI کی 1984ء کی اس رپورٹ سے ہوتا ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ امریکہ میں ہر تیس سیکنڈ کے بعد ایک عورت کی پٹائی ہوتی ہے۔ دوسرے لفظوں میں امریکہ میں ہر سال دس لاکھ سے زائد عورتوں کو نہایت بے رحمی سے زدوکوب کیا جاتا ہے۔ یورپی ممالک میں بھی صورت حال کچھ اسی طرح کی ہے۔ ❶

جہاں تک جرائم کا تعلق ہے مغربی معاشرہ میں جرائم اس کثرت سے ہوتے ہیں کہ ستمبر 1992ء میں امریکہ کے دارالحکومت واشنگٹن کے پولیس کے چیف آئزک فلوڈ نے ایک پریس کانفرنس میں روتے ہوئے یہ کہہ کر استعفیٰ دے دیا کہ میں جرائم کو ختم کرنے میں ناکام رہا ہوں۔ امریکہ میں ہر پانچ منٹ کے بعد زنا بالجبر کی ایک واردات ہوتی ہے جب کہ باہمی رضامندی سے زنا کو وہاں زنا تصور ہی نہیں کیا جاتا۔

اقبال نے مغرب کے سیاسی، تمدنی اور تہذیبی تغلب کے خلاف حق کی آواز اٹھائی اور انہوں نے نہایت جرأت اور بے باکی سے اس کو ہدف تنقید بنایا۔ فرمایا:

فساد قلب و نظر ہے فرنگ کی تہذیب
کہ روح اس مدنیت کی رہ سکی نہ عفیف
رہے نہ روح میں پاکیزگی تو ہے ناپید
ضمیر پاک و خیال بلند و ذوق لطیف

ایک اور جگہ اقبالؒ نے فرمایا ؎

❶ تکبیر کراچی ۲۰ جولائی ۱۹۸۴ء

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نظر کو خیرہ کرتی ہے چمک تہذیب حاضر کی
یہ صناعی مگر جھوٹے نگوں کی ریزہ کاری ہے
وہ حکمت ناز تھا جس پر خردمندان مغرب کو
ہوس کے پنجۂ خونیں میں تیغ کارزاری ہے

یورپ نے تہذیبی میدان میں انسانیت کے راستہ میں جو کانٹے بوئے ہیں، فساد کی جو مختلف شکلیں پیدا کی ہیں، بے یقینی، خوف، انتشار، خاندانی زندگی کا خلفشار اور انسانی توہین کی جن صورتوں کو جنم دیا ہے، اقبال نے ان سب پر تابڑ توڑ حملے کیے ہیں۔ فرماتے ہیں ؎

یورپ میں بہت روشنیٔ علم و ہنر ہے
حق یہ ہے کہ بے چشمۂ حیواں ہے یہ ظلمات
رعنائی تعمیر میں، رونق میں، صفا میں
گرجوں سے کہیں بڑھ کے ہیں بنکوں کی عمارات
ظاہر میں تجارت ہے، حقیقت میں جوا ہے
سود ایک کا لاکھوں کے لیے مرگ مفاجات
یہ علم، یہ حکمت، یہ تدبر، یہ حکومت
پیتے ہیں لہو، دیتے ہیں تعلیم مساوات
بے کاری و عریانی و مے خواری و افلاس
کیا کم ہیں فرنگی مدنیت کی فتوحات
وہ قوم کہ فیضان سماوی سے ہو محروم
حد اس کے کمالات کی ہے برق و بخارات

ایک اور مقام پر اقبال فرماتے ہیں ؎

من درونِ شیشہ ہائے عصر حاضر دیدہ ام
آں چناں زہرے کہ از وے مارہا در پیچ و تاب

یعنی میں نے عصر حاضر کے شیشہ و پیمانہ میں وہ زہر بھرا ہوا دیکھا

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے جس کے اثر سے سانپ بھی پیچ وتاب کھانے لگتے ہیں۔

اقبال نے یکم جنوری 1938ء میں آل انڈیا ریڈیو سے تقریر نشر کی۔ اس میں انہوں نے مغربی تہذیب کے بارے میں فرمایا:

''جب میں رخصت ہونے والے سال پر نظر ڈالتا ہوں اور نئے سال کی مسرتوں کے درمیان کھوئی ہوئی دنیا کو دیکھتا ہوں، تو خواہ ابی سینیا ہو یا فلسطین، اسپین ہو یا چین، انسان کے اس ارضی گھر کے ہر گوشہ میں ایک ہی مصیبت کو سایہ گستر پاتا ہوں۔ ہر جگہ ہزاروں انسان نہایت بے رحمی کے ساتھ ذبح کیے جا رہے ہیں۔ سائنس نے تباہی کے جو انجن ایجاد کیے، وہ انسان کے ثقافتی کارناموں کو پیوند خاک کرنے میں مصروف ہیں۔ جو حکومتیں خون و آتش کے اس کھیل میں شریک نہیں ہیں وہ اقتصادی اعتبار سے کمزور انسانوں کا خون چوس رہی ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ زمین پر ایک حشر بپا ہے جہاں انسانی ہمدردی اور رفاقت کی کوئی آواز سننے میں نہیں آتی۔'' ❶

مغربی نظام تعلیم پر تنقید:

اقبال نے مغربی نظام تعلیم پر بھی سخت تنقید کی ہے کیونکہ اس کا نصاب سیکولر اور مادی اقدار کو فروغ دیتا ہے۔ اس نظام تعلیم کو ایک خاص مقصد کے لیے نافذ کیا گیا جیسا کہ لارڈ میکالے نے خود اس کے بارے میں کہا ہے کہ

''ہمیں اس وقت بس ایک ایسا طبقہ پیدا کرنیکی سعی کرنی چاہیے جو ہمارے اور ان کروڑوں انسانوں کے مابین ترجمانی کے فرائض انجام دے سکے جن پر ہم اس وقت حکمران ہیں۔ ایک ایسا طبقہ جو خون اور رنگ کے اعتبار سے ہندوستانی ہو مگر ذوق، طرز فکر، اخلاق اور فہم وفراست کے نقطۂ نظر سے انگریز ہو۔'' ❷

---

❶ ماہ نامہ سیارہ، اقبال نمبر: ص ۲۱۲

❷ میکالے کا نظریۂ تعلیم: ص ۲۹

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مشہور دانشور ولیم ہنٹر نے اپنی کتاب ''ہمارے ہندوستانی مسلمان'' میں اس انگریزی نظام تعلیم کے بارے میں تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے:

''حقیقت یہ ہے کہ ہمارا نظام تعلیم جس نے ہندوؤں کو ان کی صدیوں کی نیند سے بیدار کیا اور ان کے قابل عوام میں قومیت کے شریفانہ احساسات پیدا کر دیئے ہیں، مسلمانوں کی روایات کے بالکل خلاف اور ان کی ضروریات کے بالکل غیر مطابق ہے، بلکہ ان کے مذہب کی تحقیر کرتا ہے۔''

اقبال نے مغربی تہذیب کے ساتھ ساتھ مغربی نظام تعلیم کو بھی اپنی تنقید کا نشانہ بنایا اور اس کے نقائص کو امت مسلمہ کے سامنے دلائل کے ساتھ پیش کیا۔ فرماتے ہیں ؎

ہم سمجھتے تھے کہ لائے گی فراغت تعلیم
کیا خبر تھی کہ چلا آئے گا الحاد بھی ساتھ
گھر کے پرویز کے شیریں تو ہوئی جلوہ نما
لے کے آئی ہے مگر تیشۂ فرہاد بھی ساتھ

ایک مقام پر اقبال نے فرمایا ؎

جب پیر فلک نے ورق ایام کا الٹا
آئی یہ صدا پاؤ گے تعلیم سے اعزاز
آیا ہے مگر اس سے عقیدوں میں تزلزل
دنیا تو ملی، طائر دیں کر گیا پرواز
دیں ہو تو مقاصد میں بھی پیدا ہو بلندی
فطرت ہے جوانوں کی زمین گیر، زمین تاز
مذہب سے ہم آہنگ افراد ہے باقی
دیں زخمہ ہے جمعیت ملت ہے اگر ساز
پائی نہ ملا زمزم ملت سے جو اس کو
پیدا ہیں نئی پود میں الحاد کے انداز

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اقبال نے ایسے علم کو زہر کہا ہے جس کا مقصد صرف ملازمت کا حصول ہو چنانچہ فرمایا ؎

وہ علم نہیں زہر ہے احرار کے حق میں
جس علم سے حاصل ہے جہاں میں دو کف جو

ایک اور جگہ اقبال نے مسلمان نوجوان کو مخاطب کر کے کہا ؎

خدا تجھے کسی طوفاں سے آشنا کر دے
کہ تیرے بحر کی موجوں میں اضطراب نہیں
تجھے کتاب سے ممکن نہیں فراغ کہ تو
کتاب خواں ہے مگر صاحب کتاب نہیں

مغربی نظام تعلیم کی ساری نفسیات اقبال نے اپنی اس نظم میں ظاہر کر دی ہیں، اور اس کے مظاہر تعلیم یافتہ طبقہ میں پوری شان سے دیکھے جا سکتے ہیں ؎

تعلیم پیر فلسفہ مغربی ہے یہ
ناداں ہے جس کو ہستی غائب کی ہے تلاش
پیکر اگر نظر سے نہ ہو آشنا تو کیا
ہے شیخ بھی مثال برہمن صنم تراش
محسوس پر بنا ہے علوم جدید کی
اس دور میں ہے شیشہ عقائد کا پاش پاش
مذہب ہے جس کا نام وہ ہے اک جنون خام
ہے جس سے آدمی کے تخیل کو ارتعاش

اقبال کے نزدیک اس آفاق پرستی اور انفس سے بے خبری نے نوجوانوں کو دینی نقطۂ نظر سے بیکار اور مردہ بنا دیا ہے اور اس میں غلامانہ ذہنیت راسخ کر دی ہے اور مسلمانوں والے نام رکھنے کے باوجود وہ مسلمانی کے خصائص سے محروم اور بے بہرہ ہیں۔ اقبال فرماتے ہیں ؎

گرچہ مکتب کا جواں زندہ نظر آتا ہے مردہ ہے مانگ کے لایا ہے فرنگی سے نفس

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ایک اور شعر مے خانۂ افرنگ کی رونق افروزی کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا ؎

یہ مدرسہ، یہ جواں، یہ سرور و رعنائی
انہی کے دم سے ہے مے خانۂ فرنگ آباد

اہل مدرسہ کا ذکر کرتے ہوئے اقبال فرماتے ہیں کہ یہ لوگ نوجوانوں کو شجاعت و بے باکی اور جرأت و غیرت کے بجائے بزدلی اور غلامی کا درس دیتے ہیں ؎

شکایت ہے مجھے یارب خداوندانِ مغرب سے
سبق شاہیں بچوں کو دے رہے ہیں خاک بازی کا

تحریک آزادیٔ نسواں پر تنقید:

اہل یورپ نے مذہب سے آزاد ہو کر اپنے آپ کو ہر بند سے آزاد کر لیا۔ شرم وحیا جو عورتوں کا فطری تقاضا تھا، اس کو بھی مکمل طور پر دبا دیا۔ پاکستان کے دین نا آشنا حضرات جن کے ذہنوں میں الحاد اور بے دینی کے جراثیم مغربی جمہوریت کے ذریعہ داخل ہوئے ہیں، انہوں نے اسلام کے خلاف یہ پراپیگنڈہ شروع کر دیا کہ اسلام عورت کو کم تر درجہ دیتا ہے۔ اسی وجہ سے مرد قوام ہے اور عورت اس کے ماتحت۔ ان لوگوں نے یورپ کے غیر فطری نظریہ مساوات کو اسلام کا نظریہ مساوات ثابت کرنا شروع کر دیا۔ اسلام میں اگر چہ عورت اور مرد دونوں عزت و احترام کے لحاظ سے برابر ہیں۔ اخلاقی لحاظ سے بھی برابر ہیں، آخرت کے اجر و ثواب کے لحاظ سے بھی برابر ہیں، لیکن اسلام میں ان دونوں کا دائرہ کار ایک نہیں بلکہ مختلف ہے، لہٰذا مرد و زن کی مساوات کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

قدیم معاشروں میں عورت کو مرد کے مقابلہ میں کم تر درجہ حاصل تھا۔ قدیم یونان میں عورت کا درجہ اتنا گرا دیا گیا تھا کہ اس کی حیثیت صرف ایک بچہ پالنے والی کنیز کی ہو کر رہ گئی۔ عورتوں کو ان کے گھروں میں بند کر دیا گیا۔ وہ تعلیم سے یک قلم محروم تھیں اور ان کا کوئی حق نہ تھا، اور ان کے خاوند ان کے گھروں کے سامانوں

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں سے ایک سامان سے زیادہ حیثیت نہ دیتے تھے۔ ❶

اسی طرح پیدائش باب 2 آیت 3 میں عورت کو سیدنا آدم علیہ السلام کا بہکانے والا بتایا گیا اور یہ کہا گیا کہ عورت ہی وہ ذات ہے جس نے انسان کو گناہ میں ملوث کیا جیسا کہ انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا میں لکھا ہے۔ ❷

یہی حال قدیم روم میں عورت کا تھا۔ قانون کی نظر میں وہ مکمل محکوم تھی۔ یہی حال عیسائیت میں تھا کہ عورت کو اپنے سر پر محکوم ہونے کی علامت رکھنے کا حکم دیا گیا۔ ❸

قرآن حکیم نے مردوں کے لیے ایک لفظ ''قوام'' استعمال کیا ہے۔ اس لفظ سے اسلام کے خلاف یہ پراپیگنڈہ کیا گیا اور بہت زور شور سے کیا گیا کہ ''اسلام میں عورت مرد سے کم تر ہے۔'' یہ دراصل اسلام کی بات کو بگاڑ کر پیش کرنا ہے۔ اسلام یہ نہیں کہتا کہ عورت مرد سے کم تر ہے بلکہ اسلام یہ کہتا ہے کہ عورت مرد سے مختلف ہے۔ یہ ایک دوسرے کے مقابلہ میں فرق کا معاملہ ہے نہ کہ ایک کے مقابلہ میں دوسرے کے بہتر ہونے کا۔ مرد اور عورت کے بارے میں اسلام کے سارے قوانین اسی اصول پر مبنی ہیں کہ عورت اور مرد دو الگ الگ صنفیں ہیں، لہٰذا خاندانی اور سماجی زندگی میں ان کا دائرہ عمل بھی ایک نہیں بلکہ مختلف ہے، اور ایک ہو بھی نہیں سکتا کیونکہ جب دونوں صنفوں کے مابین حیاتیاتی بناوٹ کے لحاظ سے اختلاف اور فرق ہے تو ان کے درمیان عمل کے اعتبار سے بھی لازمی طور پر فرق ہونا چاہیے۔

مرد اور عورت کے مابین جو فرق ہے اس کو موجودہ دور میں علم انسانی کے ماہرین نے بھی تسلیم کیا ہے۔ چنانچہ امریکہ کے ایک پروفیسر اسٹیون گولڈ برگ (Steven Gold Berg) نے لکھا ہے:

''اس فرق کی زیادہ حقیقت پسندانہ توجیہ یہ ہے کہ اس کو مردانہ ہارمون

❶ انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا: ۹۰۹/۱۹

❷ انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا: ۹۰۹/۱۹

❸ کرنتھیوں: ۱: ۱۰۔۱۱

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(Male Harmone) کا نتیجہ قرار دیا جائے جو کہ ابتدائی جرثومہ حیات پر اس طرح غالب آجاتے ہیں جب کہ ابھی وہ رحم مادر میں ہوتا ہے۔ یہی سبب ہے کہ چھوٹے بچے چھوٹی بچیوں سے زیادہ جارح ہوتے ہیں۔''

آگے چل کر اسی مضمون میں پروفیسر گولڈ برگ لکھتے ہیں کہ

''اس کا مطلب یہ نہیں کہ مرد عورتوں سے بہتر (Better) ہوتے ہیں۔ اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ مرد عورتوں سے مختلف ہوتے ہیں۔ مرد کا دماغ اس سے مختلف کام کرتا ہے جس طرح عورت کا دماغ کام کرتا ہے۔ یہ فرق چوہوں وغیرہ کے نر اور مادہ میں بہت واضح طور پر تجربہ کیا جا سکتا ہے۔'' ❶

یورپ کے مشہور مفکر اور نوبل انعام یافتہ ڈاکٹر الیکسس کیرل (Dr.Alexis Carrel) نے بھی اس موضوع پر بحث کرتے ہوئے اسلام کے نظریۂ مرد وزن کی تائید کی ہے۔ ڈاکٹر موصوف اس معاملہ کی حیاتیاتی تفصیلات بیان کرتے ہوئے لکھا ہے:

''مرد اور عورت کے درمیان جو فرق پائے جاتے ہیں وہ محض جنسی اعضاء کی خاص شکل، رحم کی موجودگی حمل یا طریقہ تعلیم کی وجہ سے نہیں ہیں بلکہ وہ اس سے زیادہ بنیادی نوعیت کے ہیں۔ وہ خود نسیجوں کی بناوٹ سے پیدا ہوتے ہیں اور پورے نظام میں خصوصی کیمیائی مادہ کی سرایت کرنے سے ہوتے ہیں جو کہ خصیۃ الرحم سے نکلتے ہیں۔ ان بنیادی حقیقتوں سے بے خبری نے ترقی نسواں کے حامیوں کو اس عقیدے پر پہنچایا ہے کہ دونوں صنفوں کے لیے ایک قسم کی تعلیم، ایک طرح کے اختیارات اور ایک طرح کی ذمہ داریاں ہونی چاہئیں۔'' ❷

ڈاکٹر الیکسس کیرل اس سلسلہ میں مزید لکھتے ہیں:

---

❶ (ڈیلی ایکسپریس ۴ جولائی ۱۹۷۷ء)

❷ Alexis Carrel: Man the unknown. P.91

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

''حقیقت کے اعتبار سے عورت نہایت گہرے طور پر مرد سے مختلف ہے۔ عورت کے جسم کے ہر خلیے میں زنانہ پن کا اثر موجود ہوتا ہے۔ یہی بات اس کے اعضاء کے بارہ میں صحیح اور درست ہے، اور سب سے بڑھ کر اس کے اعصابی نظام کے بارے میں عضویاتی قانون بھی اتنے ہی اٹل ہیں جتنے کہ فلکیاتی قوانین قطعی اور اٹل ہیں۔ ان قوانین کو انسانی خواہشوں سے بدلا نہیں جا سکتا۔ ہم مجبور ہیں کہ ان کو اس طرح مانیں جیسے کہ وہ ہیں۔ عورتوں کو چاہیے کہ وہ اپنی صلاحیتوں کو خود اپنی فطرت کے مطابق ترقی دیں۔ وہ مردوں کی نقل کرنے کی کوشش نہ کریں۔ تہذیب کی ترقی میں ان کا حصہ اس سے زیادہ ہے جتنا کہ مردوں کا۔ انہیں اپنے مخصوص عمل کو ہرگز چھوڑنا نہیں چاہیے۔''

یہ تھا عورت کے بارے میں اسلام کا نظریہ جو کہ تقسیم کار کے اصول پر قائم کیا گیا ہے یعنی عورت گھر کے اندر کے کام کو سنبھالے اور مرد گھر سے باہر کے کام کو کرے کیونکہ فطرت نے گھر کے کام کی وہ تمام صلاحیتیں عورت میں رکھی ہیں جو اس کو درکار ہیں، اور مرد میں وہ تمام صلاحیتیں رکھی ہیں جو گھر سے باہر کے امور کو چلانے کے لیے اس کو درکار ہیں۔

اس تقسیم کار پر ہزاروں سال سے زندگی کا نظام چل رہا تھا کہ آج سے قریباً دو سو سال قبل صنعتی انقلاب کے باعث زندگی کا یہ نظام ٹوٹنا شروع ہوا۔ اس صنعتی انقلاب کی وجہ سے عورتیں گھر کی چار دیواری سے نکل کر کارخانوں کی چار دیواری میں داخل ہوئیں۔ پہلے گھر کی کمائی کا انحصار صرف مردوں پر تھا۔ اب عورتیں بھی اس میں شریک ہوئیں۔ جب وہ خود کفیل ہوئیں تو ان کے اندر یہ ذہن بھی پیدا ہوا کہ وہ مردوں کی پابندی سے آزاد ہو کر اپنی زندگی گزاریں۔

اسی ذہن نے عورتوں میں آزادیٔ نسواں کی تحریک شروع کی۔ یہ تحریک شروع میں ان ملکوں میں شروع ہوئی جہاں صنعتی انقلاب آیا۔ چنانچہ یہ تحریک سب

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سے پہلے انگلستان میں اور پھر فرانس میں شروع ہوئی۔ امریکہ میں صنعتی انقلاب کی ترقی کے ساتھ آزادئ نسواں کی تحریک بھی زور پکڑ گئی۔

آزادی نسواں کی تحریک کے علم برداروں کی سب سے بڑی دلیل اس سلسلہ میں یہ تھی کہ عورت اور مرد کے درمیان کوئی فطری فرق نہیں بلکہ سماجی فرق ہے، اور اگر عورت پر سماجی دباؤ ختم کر دیا جائے تو وہ ہر کام کر سکتی ہے جو مرد کر سکتا ہے، اور عورت کسی لحاظ سے مرد سے پیچھے نہیں رہے گی۔

اس تحریک کو دو سو سال سے زائد عرصہ ہو گیا ہے اور ان ملکوں میں یہ تحریک پوری طرح کامیاب ہو چکی ہے جو صنعتی لحاظ سے ترقی یافتہ ہیں۔ ان ملکوں میں عورت اور مرد کی برابری کے قوانین بھی بنائے جا چکے ہیں اور قانون یا رواج یا سماج کے لحاظ سے آج کی عورت کے راستہ میں کوئی رکاوٹ باقی نہیں رہی، لیکن ان تمام باتوں کے باوجود عورت اب بھی مرد کے پیچھے ہے اور زندگی کے کسی شعبہ میں مرد کی برابری نہیں کر سکی۔ اس کی تفصیل علمی دنیا کی نہایت معتبر کتاب انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا کے مقالہ نگار نے دی ہے۔ ❶

قانونی اور سماجی لحاظ سے جب عورت کے راستہ میں کوئی رکاوٹ نہ رہی، وہ پھر بھی مرد سے کم تر ہی رہی۔ اس کی وجہ وہ نہیں تھی جو حکیمان آزادی نسواں نے تشخیص کی۔ ان کی تشخیص یہ تھی کہ ان دونوں صنفوں میں یہ فرق سماجی حالات کی بنا پر ہے حالانکہ یہ فرق اسلام کی نشان دہی کے مطابق پیدائشی بناوٹ کی وجہ سے ہے۔ چنانچہ دوسری جنگ عظیم کے بعد یورپ کے مفکرین نے اس مسئلہ پر بڑی تحقیق کی اور وہ اس نتیجہ پر پہنچے کہ جب تک یہ فرق رہے گا دونوں کی سماجی حیثیت میں بھی فرق رہے گا۔

مختصر یہ کہ عورت گھر سے نکلی تھی مردوں کے شانہ بشانہ ہر شعبہ زندگی میں کام کرنے اور ان کے ساتھ برابری کرنے کے لیے، لیکن وہ گھر کی رہی اور

❶ انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا: ۱۰/۷۳۲

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نہ باہر کی۔ مرد جن کو اللہ تعالیٰ نے حیاتیاتی اور جسمانی طور پر عورتوں پر فضیلت دی تھی، وہ تو ہر ملک میں عورت سے برتر ہی رہے اور ہیں، لیکن عورت جب گھر سے نکلی تو گھر بگڑا، گھر بگڑنے سے پورا معاشرہ بگڑا اور معاشرہ بگڑنے سے پوری قوم بگڑی اور قوم میں زنا، چوری، ڈاکے، لواطت اور دوسری اخلاقی اور سماجی بیماریوں نے جنم لیا۔

عورت کے بارے میں تہذیب جدید کا نظریۂ مساوات بظاہر عورت کا درجہ بلند کرنے کے ہم معنی ہے لیکن عملی طور پر وہ عورت کا درجہ گرانے کے معنوں میں ہے کیونکہ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ برابری کے حسین اور خوبصورت دعوؤں کے باوجود زندگی کے تمام جدید شعبوں میں عورت کا درجہ مرد سے کم ہے۔ اس کی وجہ مساوات کے لفظ کا غلط تصور ہے۔ ایک تسلیم شدہ نظریہ ہے جس میں کوئی اختلاف نہیں، لیکن اگر ایک مرد اور دوسرے مرد کے درمیان مساوات کا مطلب یہ ہے کہ ہر میدان میں ہر مرد دوسرے مرد کا مقابلہ کر سکتا ہے تو یہ نظریہ سراسر غلط ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ مساوات کا مطلب عمل میں مساوات نہیں بلکہ حیثیت میں مساوات ہے۔ مرد اور عورت کے معاملہ میں مغرب کی یہی غلطی ہے کہ اس نے دونوں صنفوں کے درمیان اس قسم کی غیر فطری مساوات قائم کرنے کی کوشش کی۔ اس کا نتیجہ وہی ہوا جو ہونا چاہیے تھا کہ مرد اور عورت کے مابین تاریخ کی سب سے بڑی ''عدم مساوات'' قائم ہوگئی۔

بات دراصل یہ ہے کہ عورت اور مرد ایک جنس نہیں ہیں بلکہ دونوں الگ الگ جنسیں ہیں، اور دونوں کی تخلیق الگ الگ مقاصد کے تحت ہوئی ہے۔ اپنی تخلیق کے اعتبار سے اگر دونوں کو اپنے اپنے میدان میں رکھا جائے تو دونوں مساوی طور پر کامیاب و کامران رہیں گی، لیکن اگر دونوں کو ایک ہی میدان میں ڈال دیا جائے تو عورت ہرگز وہ کام نہیں کر سکے گی جو مرد اپنی تخلیق صلاحیت کے اعتبار سے بہتر طور پر

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کر سکتا ہے۔ نتیجہ یہ ہو گا کہ عورت مرد کے مقابلہ میں کم تر درجہ کی جنس بن کر رہ جائے گی۔

امریکہ اس وقت تمام دنیا میں تہذیب جدید کا مرکز سمجھا جاتا ہے۔ وہاں معاشرہ میں بھی عورت کو وہ مقام حاصل نہیں ہو سکا جس کا آج پاکستان کی جدید تہذیب کے گہوارہ میں پرورش پانے والی خواتین مطالبہ کر رہی ہیں، بلکہ امریکی عورت آج پہلے سے زیادہ مصیبتوں اور مشقتوں میں مبتلا ہے۔ کیونکہ خودغرضی اور بے مروتی مغربیت کا لازمی شعار ہے، اس لیے عورت کی سادہ لوحی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اسے زیادہ سے زیادہ عریانی وفحاشی کا پیکر بنایا گیا۔ پھر بحیثیت ماں، بیوی، بیٹی اور بہن اس کی کوئی عزت نہ رہی۔ جوانی میں وہ بیک وقت کئی مردوں کی تفریح کا سامان بنتی رہی۔ اپنے روزگار کا انتظام بھی خود کر کے دفاتر اور کارخانوں میں مردوں کے برابر کام بھی کرتی ہے۔ اور پھر خاندانی نظام کو درہم برہم کر کے اور اپنی مامتا کو دبا کر اور بچوں سے بے نیاز ہو کر اپنا بڑھاپا بے بسی اور کس مپرسی کی حالت میں گذارتی ہے۔

اقبال نے اس صورت حال کو دیکھتے ہوئے تحریک آزادی نسواں کے سامنے پل باندھنے کا عزم کر لیا، اور عورتوں کی اس بے راہ روی کا ذمہ دار جدت پسند مردوں اور جدید تعلیم کو قرار دیا۔ اقبال فرماتے ہیں ؎

ہزار بار حکیموں نے اس کو سلجھایا
مگر یہ مسئلہ زن رہا وہیں کا وہیں
قصور زن کا نہیں ہے کچھ اس خرابی میں
گواہ اس کی شرافت پہ ہیں مہ و پرویں
فساد کے ہے فرنگی معاشرت میں ظہور
کہ مرد سادہ ہے بیچارہ زن شناس نہیں

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ایک اور مقام پر اقبال نے فرمایا ؎

جس علم کی تاثیر سے زن ہوتی ہے نازن
کہتے ہیں اسی علم کو ارباب نظر موت
بیگانہ رہے دیں سے اگر مدرسۂ زن
ہے عشق و محبت کے لیے علم و ہنر موت

خردمندان مغرب نے عورت کو گھر سے نکال کر جو دفتروں اور کارخانوں کی چار دیواری میں زبردستی یا لالچ میں لا بیٹھایا، اس پر اقبال فرماتے ہیں ؎

کوئی پوچھے حکیم یورپ سے
ہند و یونان ہیں جس کے حلقہ بگوش
کیا یہی ہے معاشرت کا کمال
مرد بے کار زن تہی آغوش

آزادی نسواں کے حامی حضرات کی اس روش پر اقبال اپنی پریشانیوں کا یوں اظہار کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''معاشرتی اصلاح کے نوجوان مبلغ یہ سمجھتے ہیں کہ مغربی تعلیم کے چند جرعے مسلم خواتین کے تن مردہ میں نئی جان ڈال دیں گے اور وہ اپنی ردائے کہنہ کو پارہ پارہ کر دے گی۔ شاید یہ بات درست ہو، لیکن مجھے اندیشہ ہے کہ اپنے آپ کو برہنہ پا کر اسے ایک مرتبہ پھر اپنا جسم نوجوان مبلغین کی نگاہوں سے چھپانا پڑے گا۔'' ❶

اقبال کے نزدیک ایسی تعلیم سراسر موت ہے جس کی وجہ سے عورت اپنی نسوانیت کے جوہر کو کھو دے اور ایک مسلماں ماں کی خوبیوں سے محروم ہو جائے اور اس کا دینی کردار یک قلم ختم ہو جائے۔ اقبال بڑے دکھ اور کرب سے فرماتے ہیں ؎

❶ شذرات فکر اقبال: ص ۱۴۸

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تہذیب فرنگی ہے اگر مرگ امومت
ہے حضرت انسان کے لیے اس کا ثمر موت
جس علم کی تاثیر سے زن ہوتی ہے نازن
بیگانہ رہے دیں سے اگر مدرسۂ زن
ہے عشق و محبت کے لیے علم و ہنر موت

اقبال عورت کو بے پردہ، نیم برہنہ اور کلبوں میں ناچنے والی عورت نہیں بنانا چاہتے بلکہ اس کو ایک ایسی عورت بنانا چاہتے ہیں جس کے سوز قرأت سے عمرؓ جیسا شخص حلقہ اسلام میں داخل ہو جائے۔ ان کے نزدیک ایک مسلمان عورت کے لیے ضروری ہے کہ وہ سیدہ فاطمۃ الزہراء سلام اللہ علیہا کے اسوۂ کی پیروی کریں تاکہ اس کی آغوش میں شبیر صفت بچے پرورش پائیں۔ چنانچہ اقبال فرماتے ہیں ؎

اگر پندے ز درویشے بگیری
ہزار امت بہ میرد، تو نہ میری
بتولے باش و پنہاں شو ازیں عصر
کہ در آغوش شبیرے بگیری

یہ نہ صرف چند موضوعات تھے جن کو اقبال نے اپنی تنقید کا ہدف بنایا بلکہ تہذیب جدید جو موجودہ سائنس کی وجہ سے منصۂ شہود میں آئی، اس کے ہر غلط اور غلیظ پہلو کو اقبال نے اپنی تنقید کا ہدف بنایا جیسے وطنیت وقوم پرستی، آزاد خیالی، مذہب وسیاست کی تفریق، مغرب پرستی، اشتراکیت وغیرہ۔

آخر میں ہم اس مضمون کو اقبال کے ان اشعار پر ختم کرتے ہیں جن میں اقبال نے واضح کیا کہ عصر حاضر نے مسلمان کے ساتھ کیا کچھ کیا ہے۔ فرماتے ہیں ؎

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اے تہی از ذوق و شوق و سوز و درد
می شناسی عصر ما با ما چہ کرد
عصر ما، مارا زما بیگانہ کرد
از جمال مصطفٰے بیگانہ کرد

یعنی اے مغرب کے پرستار! تم ذوق وشوق اور روحانی سوز و درد سے محروم و تہی دامن ہو۔ تم نہیں جانتے کہ عصر حاضر نے ہمارے ساتھ کیا کیا۔ اس تہذیب نے ہمیں اپنے آپ سے بیگانہ اور نا آشنا کر دیا، اور سب سے بڑا ظلم یہ ہوا کہ ہمیں جمال مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کی برکات سے بیگانہ کر دیا۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

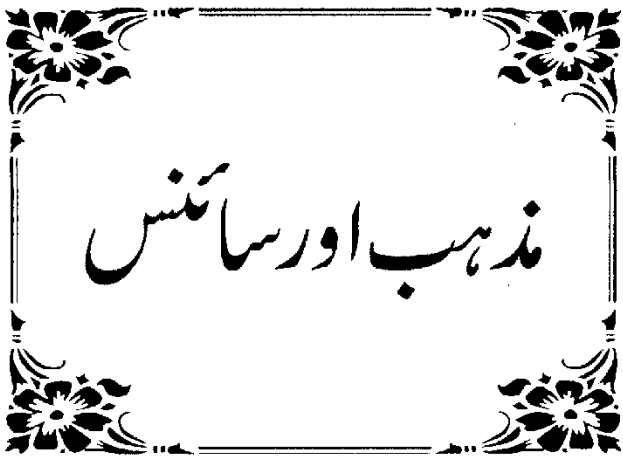

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مذہب اور سائنس

جیسا کہ گذشتہ صفحات میں بتایا گیا ہے کہ انسان نے سائنس کا انکشاف کیا اور سائنس کی دریافت اسلام کی وجہ سے ہوئی۔ لیکن اٹھارویں اور انیسویں صدی میں ایک وقت وہ بھی آیا جب مذہب اور سائنس کا آپس میں ٹکراؤ ہو گیا۔ سائنسی دریافتوں سے پہلے بہت سے لوگ یہ سمجھتے تھے کہ تمام کائنات اللہ کی قدرت کے تحت ہے۔ دنیا میں جو کچھ بھی ہو رہا ہے، یہ اللہ کے حکم سے ہو رہا ہے۔ لیکن اٹھارویں اور انیسویں کے مابین جب جدید سائنس کا ظہور ہوا تو اب لوگ یہ سمجھنے لگے کہ اب خدا کو ماننے کی کوئی ضرورت نہیں۔ خدا کو ماننے کی ایک سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ اس کو مانے بغیر کائنات کی کوئی توجیہ نہیں بنتی تھی۔ لیکن مذہب کے مخالفین اب یہ کہنے لگے کہ اس مقصد کے لیے اب ہم کو خدائی فروضے کی کوئی ضرورت نہیں کیوں جدید سائنسی تحقیقات کی روشنی میں اب ہمارے لیے کائنات کی توجیہ کرنا کوئی مشکل نہیں۔ اب ہم سائنسی تحقیقات کی روشنی میں نہایت آسانی کے ساتھ کائنات کی تشریح وتوجیہ کر سکتے ہیں۔ لہٰذا اب کسی مرحلے میں خدا کو ماننے کی کوئی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔ اس طرح اللہ تعالیٰ کا خیال ان کی نظر میں ایک بے ضرورت چیز بن گیا اور جب کوئی چیز بے ضرورت ہو تو اس کا بے بنیاد ہونا ایک لازمی امر ہے۔

سائنس دانوں کا یہ دعویٰ علمی لحاظ سے نہایت کمزور تھا۔ سائنس کی وہ کیا دریافت تھی جس میں انہیں نظر آیا کہ اب خدا کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ وہ دریافت یہ تھی کہ سائنس نے معلوم کیا کہ کائنات بے ہنگم اور بے کسی قانون اور اصول کے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نہیں چل رہی بلکہ کائنات کچھ خاص قوانین کے تابع ہے۔ جدید تحقیق نے انہیں بتایا کہ کائنات کے ہر واقعہ کے پیچھے ایک ایسا سبب موجود ہے جس کو تجربہ کر کے معلوم کیا جا سکتا ہے۔ مثال کے طور پر ڈارون کی تحقیق نے اسے بتایا کہ انسان کسی خاص تخلیقی حکم کے تحت وجود میں نہیں آیا بلکہ ابتدائی زمانے کے کیڑے مکوڑے عام مادی قوانین کے تحت ترقی کرتے کرتے انسان بن گئے ہیں۔ یا نیوٹن (Newton) کے مشاہدے میں یہ نظر آیا کہ آسمان کے تمام ستارے اور سیارے کچھ نا قابل تغیر قوانین ایسے بندھے ہوئے ہیں کہ ان کی حرکت ان قوانین کے تحت ہے۔ اسی طرح ان سائنس دانوں کو مطالعہ اور تجربہ کے بعد زمین سے لے کر آسمان تک سارے واقعات ایک معلوم نظام کے تحت ظاہر ہوتے ہوئے نظر آئے جن کو قوانین فطرت (Law of Nature) کا نام دیا گیا ان کو ایک تو نا قابل تغیر مانا گیا۔ دوسرے قانون فطرت کا یہ عمل اس درجہ مؤثر سمجھا گیا کہ اس کے بارے میں قبل از وقت خبر دی جا سکتی تھی۔

اس دریافت کا مطلب یہ ہوا کہ جس کائنات میں ہم خدا تعالیٰ کی کارفرمائی سمجھتے تھے، پتہ چلا کہ وہ کچھ مادی اور طبیعاتی قوانین کے تابع ہے۔ جب ان قوانین کو استعمال اس کے کچھ نتائج برآمد کیے گئے تو انسان کا یقین اس بارہ میں اور بڑھ گیا۔ چنانچہ جرمنی فلسفی کانٹ (Kant) نے کہا: ''مجھے مادہ مہیا کر دو اور میں تم کو بتا دوں گا کہ دنیا اس مادہ سے کس طرح بنائی جاتی ہے۔'' یہی کچھ ہیگل اور نیٹشے نے کہا۔ چنانچہ یقینکر لیا گیا کہ اس کائنات کا خالق و مالک کوئی زندہ اور صاحب ذہن وارادہ ہستی نہیں ہے بلکہ یہ از اول تا آخر ایک مادی کائنات ہے۔ سائنس نے جس دنیا کو دریافت کیا اس میں کہیں اس خدا کی کارفرمائی نظر نہیں آتی جو تمام مذاہب کی بنیاد ہے۔

ان سائنس دانوں نے کہا کہ جب تک دوربین ایجاد نہیں ہوئی تھی اور ریاضیات نے ترقی نہیں کی تھی، اس وقت انسان اس بات کو نہیں جان سکتا تھا کہ سورج کیسے طلوع ہوتا ہے اور کیسے غروب ہوتا۔ چنانچہ اپنی لاعلمی کی وجہ سے اس نے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ایک خدا کو وجود فرض کر لیا اور سمجھ لیا کہ خدائی طاقت ایسا کرتی ہے۔ لیکن اب فلکیات کے مطالعہ سے یہ ثابت ہو گیا ہے کہ جذب و کشش کا ایک عالمی نظام ہے جس کے تحت چاند، سورج، ستارے اور سیارے حرکت کر رہے ہیں، لہٰذا اب خدا کو ماننے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ چنانچہ ہکسلے اس قسم کے واقعات پیش کرتا ہوا کتنے یقین کے ساتھ کہتا ہے:

''واقعات اگر فطری اسباب کے تحت صادر ہوتے ہیں تو وہ مافوق الفطری اسباب کے پیدا کیے ہوئے نہیں ہو سکتے۔

اس کے اس جملہ سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ جب واقعات کے پیچھے مافوق الفطری اسباب موجود نہ ہوں تو پھر کسی مافوق الفطرت ہستی کو وجود پر کیسے یقین کیا جا سکتا ہے۔''

مذہب کے مخالفین کا یہ استدلال نہایت بودا اور کمزور ہے۔ اس کی ایک عام فہم مثال یہ ہے کہ ایک شخص ریلوے انجن کو دیکھتا ہے کہ نہایت تیز رفتاری سے اس کے پہیے گھوم رہے ہیں او وہ ریل کی پٹری پر نہایت تیزی سے بھاگا چلا جا رہا ہے۔ اس کے ذہن میں خود بخود یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ پہیے کیسے گھوم رہے ہیں۔ وہ دریافت کرتا تھا کہ انجن کے پرزے ان پہیوں کو گھما رہے ہیں۔ کیا اس دریافت کے بعد وہ یہ سمجھنے میں حق بجانب ہوگا کہ انجن اپنے پرزوں کے ساتھ بذات خود ٹرین کی حرکت کا سبب ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ ایسا نہیں ہے۔ انجن سے پہلے ڈرائیور اور انجینئر کو ماننا ضروری ہے کیونکہ دونوں کے بغیر نہ تو انجن وجود میں آ سکتا ہے اور نہ یہ حرکت کر سکتا ہے۔ گویا انجن یا اس کا کوئی پرزہ آخری حقیقت نہیں بلکہ آخری حقیقت وہ ذہن ہے جو انجن کو وجود میں لایا اور اپنے ارادہ سے اس کو چلا رہا ہے۔

مرغی کا بچہ انڈے کے مضبوط خول کے اندر پرورش پاتا ہے۔ اور پھر 21 روز کے بعد اس کے ٹوٹنے سے باہر آ جاتا ہے۔ خول ٹوٹنے اور بچہ کے باہر آنے کا واقعہ کیسے وقوع پذیر ہوتا ہے۔ پہلا انسان اس کا یہ جواب دیتا تھا کہ خدا ایسا کرتا ہے۔ لیکن اب خورد بینی مشاہدہ کے بعد معلوم ہوا کہ جب 21 روز کی مدت

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پوری ہونے والی ہوتی ہے تو اس وقت اندے اندر سے ننھے سے بچے کی چونچ پر چھوٹی سی سخت سینگ ظاہر ہوتی ہے۔ اس سینگ کی مدد سے وہ اپنے خول کو توڑ کر باہر آ جاتا ہے۔ سینگ اپنا کام کر کے بچے کی پیدائش کے چند روز بعد خود بخود جھڑ جاتی ہے۔ ان سائنس دانوں کے نظریہ کے مطابق پرانا خیال بالکل غلط ہے کہ بچہ کو باہر نکالنے والا خدا ہے، لیکن جدید نظریہ والے لوگوں کے نزدیک خول کا ٹوٹنا ''سینگ'' کے اوپر جا کر ٹھہر گیا۔ سنگ کیسے ظاہر ہوئی، یہ خود ایک اہم سوال ہے کہ یہ سینگ بنتی ہے اور اسے کون بناتا ہے؟

مذہب کے مخالفین جس انکشاف کو فطرت کی توجیہ کا نام دے کر اس کو خدا کا بدل ٹھیرا رہے ہیں، اس کو ہم نہایت آسانی کے ساتھ فطرت کا طریق کار کہہ سکتے ہیں۔ ہم کہہ سکتے ہیں کہ خدا ان قوانین کے ذریعہ کائنات میں اپنا عمل کرتا ہے جس کے بعض اجزاء کو سائنس نے دریافت کیا ہے۔

اس بات کو ایک اور مثال سے بھی ذہن نشین کیجیے۔ مذہب کو ماننے والے لوگ یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ سمندر میں جوار بھاٹا اللہ سبحانہ وتعالیٰ لاتا ہے۔ اب دور جدید کا ایک سائنس دان یہ کہتا ہے کہ جوار بھاٹا دراصل چاند کی کشش اور دنیا کے سمندروں اور خشکی کے ٹکڑوں کی جغرافیائی وضع و ہیئت ہے۔ سائنس دان کے اس مشاہدے کی تردید کی ہمیں کوئی خاص ضرورت نہیں، لیکن اس سے ہمارے عقیدے کی صحت پر کوئی اثر نہیں پڑتا کیونکہ سائنس دان جس کشش اور زمین کی جغرافیائی بناوٹ کو جوار بھاٹا کا اصل سبب قرار دیتا ہے۔ وہ چاند کی قوت کشش اور جغرافیائی بناوٹ بھی تو اللہ کی پیدا کردہ ہے۔ وہ خدا ہی ہے جو ان ذرائع سے اپنا فعل انجام دیتا ہے۔ خدا آج بھی طوفان کا حقیقی سبب ہے۔ چنانچہ جان ولسن نے تو صاف کہا ہے:

> This does not destroy my belief: it is still god, working through these things, who is reslprible for the tides. ❶

❶ Tohn wilson: Philosophy religion, P.36

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اسی طرح ارتقاء پسند لوگ جیسا کہ بتاتے ہیں کہ انواع حیات فی الواقع اسی طرح وجود میں آئی ہے۔ تاہم اگر اس کو تسلیم بھی کر لیا جائے جب بھی اس سے مذہب عقیدے میں کوئی فرق نہیں پڑتا کیونکہ انواع حیات اگر بالفرض ارتقائی عمل کے تحت وجود میں آئی ہوں جب نہایت جرأت اور مضبوط کے ساتھ یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ یہ خدائی تخلیق کا طریقہ ہے نہ کہ اندھے بہرے مادی عمل کا خود بخود نتیجہ۔ حقیقت یہ ہے کہ مشینی ارتقاء کو نہایت آسانی کے ساتھ تخلیقی ارتقاء ثابت کیا جا سکتا ہے اور سائنس کے حوالے سے مذہب کی مخالفت کرنے والوں کے پاس اس کی تردید کی کوئی واقعی بنیاد نہیں ہے۔ چنانچہ سائنس دانوں کا یہ دعویٰ غلط ہے کہ سائنٹیفک طریق مطالعہ ہی حقیقت کو معلوم کرنے کا واحد صحیح طریقہ ہے۔ سائنس کے ممتاز علماء تو یہ کہتے ہیں:

Scince gives us but a partial knowledge of reality.

یعنی سائنس ہم کو صداقت کا صرف جزوی علم دیتی ہے۔

سائنسی رجحان میں خدا یہ یہ انکار صرف سو برس پہلے آیا جب ٹنڈل (Tandall) نے اپنے خطبۂ بلفاسٹ میں اعلان کیا تھا کہ سائنس تنہا انسان کے تمام اہم سوالات اور معاملات سے بحث کرنے کے لیے کافی ہے۔ اس قسم کے نظریات اس مفروضہ کی بنیاد پر قائم کیے گئے کہ حقیقت تمام کی تمام صرف مادہ اور حرکت پر مشتمل ہے۔

افسوس کا مقام یہ ہے کہ انسان نے سائنس کو دریافت کر لیا اور اس کے ذریعہ سے ستاروں پر کمندیں ڈالنے لگا، ہوا میں اڑنے لگا، سمندروں میں تیرنے لگا، ایٹم کو توڑنے لگا، برفیلے علاقوں میں آبادیاں قائم کرنے لگا، وہ خلاء میں دوسرے سیاروں کے سفر کے منصوبے بنانے لگا، غرض کہ اس نے مادی دنیا کی کئی چیزوں کی

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

واقفیت حاصل کر لی، لیکن وہ ابھی تک سائنس کے ذریعے انسان کو دریافت نہ کر سکا۔ اس بات کو سمجھنے کے لیے ہم مغرب کے ایک نوبل انعام یافتہ دانشور الکسس کیرل کا اقتباس نقل کرتے ہیں:

''انسان ایک انتہائی پیچیدہ اور ناقابل تقسیم کل ہے۔ کوئی شی بھی آسانی کے ساتھ اس کی نمائندگی نہیں کر سکتی۔ کوئی ایسا طریقہ نہیں ہے جس کے ذریعہ ہم بیک وقت اس کی پوری ذات کو اس کے اجزاء اور بیرونی دنیا کے ساتھ اس کے تعلقات کو بخوبی سمجھ سکیں۔ اپنی ذات کا تجزیہ کرنے کے لیے ہم کو مختلف فنی مہارتوں سے مدد لینی پڑتی ہے، اور اس طرح مختلف علوم سے کام لینا ہتا ہے فطری طور پر یہ تمام علوم اپنی کسی عام مقصد کے متعلق کسی ایک متحدہ مقصد پر نہیں پہنچتے۔ وہ انسان سے صرف انہی چیزوں کی تجرید کرتے ہیں جو ان کے خاص طریقوں سے حاصل ہو سکتی ہے، اور ان مجردات کو ایک دوسرے سے ملا بھی دیا جائے ت وہ ایک ٹھوس حقیقت سے بھی کم قیمتی ہوتے ہیں۔ ان مجردات کے بعد بھی ایک ایسی ذات باقی رہتی ہے جو بہت ہی اہم ہوتی ہے اور اس کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ علم تشریح، کیمیا، فعلیات، نفسیات، تعلیمات تاریخ، سماجیات اور سیاسی اقتصادیات اپنے موضوع کو طور طور پر ختم نہیں کرتے۔ وہ انسان جس سے خصوصی ماہرین آشنا ہیں، حقیقی انسان سے بہت دور ہوتا ہے۔ وہ ایک مفروضہ کے سوا اور کچھ نہیں جو مختلف مفروضات پر مشتمل ہے۔ اور جن کو ہر ایک علم کی فنی مہارتوں نے پیدا کیا ہے۔

انسان بیک وقت ایک لاش ہے جس کو تشریح کا علم چیرتا پھاڑتا ہے۔ وہ ایک شعور ہے جس کا ماہرین نفسیات اور بڑے بڑے روحانی اساتذہ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مشاہدہ کرتے ہیں۔ وہ ایک شخصیت ہے جس کے اندر دیکھنے سے اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ وہ اس کی ذات کی گہرائیوں میں پوشیدہ ہے۔ وہ کیمیائی مادہ بھی ہے جس سے جسم کی لیچیں اور خلطیں بنتی ہیں۔ وہ خلیوں اور تغزیاتی رطوبتوں کا ایک حیرت انگیز گروہ ہے جن کے جسمانی قوانین کا مطالعہ ماہرین فعلیات کرتے ہیں۔ وہ نسیجوں اور شعور سے مرکب ہے جس کو حفظان صحت اور تعلیمات کے ماہرین، جب کہ وہ زمان کے اندر پھیل رہا ہو۔ امید افزا ترقی دینے کی کوشش کرتے ہیں۔ وہ ایک گھریلو اقتصادیات کا حامل ہے جس کا کام پیدا کی ہوئی چیزوں کو استعمال کرتے رہنا ہے تاکہ مشینیں جن کا وہ غلام بن گیا ہے، برابر کام کرتی رہیں، لیکن اسی کے ساتھ ساتھ وہ ایک شاعر، سورما اور ولی بھی ہے۔ وہ نہ صرف ایک انتہائی پیچیدہ ہستی ہے جس کا تجزیہ سائنس کی فنی مہارتوں کے ذریعہ کیا جارہا ہے بلکہ وہ انسانیت کے رجحانات، قیاسات اور آرزوؤں کا مرکز ہے۔ بلاشبہ انسانیت نے اپنی حقیقت کو معلوم کرنے کی بڑی زبردست کوشش کی ہے۔ اگرچہ ہمارے پاس تمام زمانوں کے سائنس دانوں، فلسفیوں، شاعروں اور بڑے بڑے صوفیوں کے مشاہدات کا ایک انبار موجود ہے، مگر ہم اپنی ذات کے صرف چند پہلوؤں کو دریافت کر سکے ہیں۔ ہم انسان کو اس کی کلی حیثیت میں بخوبی نہیں سمجھ سکے۔ ہم اس کو الگ الگ حصول میں مرکب جانتے ہیں اور یہ حصے بھی ہمارے اپنے طریقوں کو پیدا کردہ ہیں۔ ہم میں سے ہر شخص ایک خیالی پیکر ہے جس کے اندر سے ایک نامعلوم حقیقت جھلک رہی ہے۔

حقیقت میں ہماری ناواقفیت بہت گہری ہے۔ وہ لوگ جو انسانی ہستیوں

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کا مطالعہ کرتے ہیں، اپنے آپ سے ایسے سوالات کرتے ہیں جن کا کوئی جواب نہیں ہے۔ ہماری اندرونی دنیا کے وسیع علاقے اب تک نامعلوم ہیں۔ ہم یہ جانتے ہیں کہ ہم نسیجوں، اعضاء، رطوبتوں اور شعور سے مرکب ہیں لیکن شعور اور دماغ کے درمیانی تعلقات اب تک ایک راز بنے ہوئے ہیں۔ ہم کو اعصابی خلیوں کے فعلیات کا پورا پورا علم حاصل نہیں۔ ارادی قوت کس حد تک نظام جسمانی میں تبدیلیاں پیدا کرتی ہے کس طرح دماغ اعضاء کے حالات سے متاثر ہوتا ہے۔ طرز زندگی، غذا کے کیمائی مادوں، آب و ہوا اور فعلیاتی اور اخلاقی تربیتوں کے ذریعہ کس طرح جسمانی اور دماغی خصوصیات میں جو بطور وراثت ہر ایک فرد کو ملتی ہیں، تبدیلیاں پیدا کی جاسکتی ہیں۔

ہم یہ بھی نہیں جان سکتے کہ ڈھانچہ، عضلات اور اعضاء اور دماغی اور روحانی سرگرمیوں کے درمیان کس قسم کے تعلقات ہیں۔ ہم ان اسباب سے ناآشنا ہیں جن کی بنا پر اعصابی توازن اور تکان اور بیماریوں کی مدافعت پیدا ہوتی ہے۔ ہم نہیں جانتے کہ اخلاق احساس، قت فیصلہ اور جرأت کو کس طرح ترقی دی جاسکتی ہے۔ ذہنی، اخلاقی اور صوفیانہ سرگرمیوں کی اصافی اہمیت کیا ہے، جمالیاتی اور مذہبی احساس کی ضرورت کیا ہے۔ کس قسم کی قوت سے اشراقی تعلقات کا ظہور ہوتا ہے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ بعض فعلیاتی اور دماغی اسباب خوشی یا تکلیف، کامیابی یا ناکامی کا نتیجہ ہوتے ہیں، لیکن ہم یہ نہیں جانتے کہ وہ اسباب کیا ہیں۔ ہم کسی فرد کے اندر مصنوعی طور پر خوشی کا چسکہ نہیں پیدا کر سکتے۔ اب تک ہم اس کو نہیں جان سکے کہ متمدن آدمی کی امید افزا ترقی کے لیے کس قسم کا ماحول زیادہ مناسب ہے، کیا ہماری فعلیاتی اور

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

روحانی ساخت سے کشمکش، محنت اور تکلیف کو دور کرنا ممکن ہے۔ موجودہ تمدن میں ہم انسان کو زوال پذیر ہونے سے کس طرح روک سکتے ہیں۔ ان باتوں کے متعلق جو ہماری انتہائی دلچسپی کا باعث ہیں، بہت سے دوسرے سوالات کیے جا سکتے ہیں، ان کا کوئی جواب نہیں دیا جا سکتا۔ یہ صاف ظاہر ہے کہ انسان کے متعلق تمام علوم کی مہارت بھی ناکافی ہے۔ اور یہ کہ اپنی ذات کے متعلق ہمارا علم اب تک ابتدائی حالت میں ہے۔'' ❶

اس ساری بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ سائنس نے انسانوں ان کو جسمانی سہولتوں کے لیے ہر قسم کے سامان تو مہیا کیے ہیں لیکن ان کی روح کے اطمینان کے لیے اچھے انسان مہیا نہیں کر سکی۔ سائنس نے آج انسانیت کا دماغ تو زندہ کر دیا لیکن دل مردہ کر دیا، اور

دل مردہ دل نہیں ہے اسے زندہ کر دوبارہ
کہ یہی ہے امتوں کے مرض کہن کا چارا

سائنس نے انسانی ذہانت اور قوت ارادی کے باہر کی دنیا کو بنایا اور اس عالم خارجی پر اپنی سارجدوجہد قربان کر دی اور خود انسان کو نظر انداز کر دیا۔ وہ انسان جو اس دنیا کا گل سرسبد ہے، مقصد وجود ہے اور دست قدرت کا سب سے اعلیٰ شاہکار ہے وہی اس ترقی سے محروم رہا۔ سائنس نے انسان کی تہ تک پہنچنے کی کوشش نہیں کی اور اس کی فطرت کو بے نقاب نہیں کیا اور اس کی خصوصیات ایمان وعقیدہ اور اخلاق کو سنوارنے کی کبھی کوشش نہیں کی۔ ان سائنس دانوں کے ہاتھ وہ سرا نہیں آیا جہاں سے انسانیت کا رخ موڑا جا سکتا ہے اور صحیح جگہ جوڑا جا سکتا ہے۔ شر وفساد سے روکا اور خیر اور نیکیوں کی طرف مائل کیا جا سکتا ہے۔ وہ سرا ''قلب'' ہے کہ جب

❶ Man the unknown, P.16-19

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یہ ٹھیک ہو تو انسان ٹھیک ہو جائے اور اگر تو بگڑا تو پورا انسان ہی بگڑ گیا۔ ہر قفل اسی چابی سے کھلتا ہے جو اس کے لیے بنائی گئی ہے۔ اس دل کے خزانے کا بھی ایک قفل ہے جس کی چابی ان دیو پیکر کارخانوں اور محیر العقول دانش کدوں میں تیار نہیں ہو سکتی۔ اس کو بڑے سے بڑے سائنس دان نہیں ڈھال سکتے اور نہ اس قفل ہی کو توڑ سکتے ہیں کیونکہ یہ انسانیت کا قفل ہے بینکوں، خزانوں اور کارخانوں کا قفل نہیں۔ یہ قفل صرف اور صرف ایمان کی چابی سے کھل سکتا ہے۔ نئے تمدن کی کہنہ دیواروں اور عبادت گاہوں کے ملبوں کے نیچے کہیں یہ چابی دبی پڑی ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

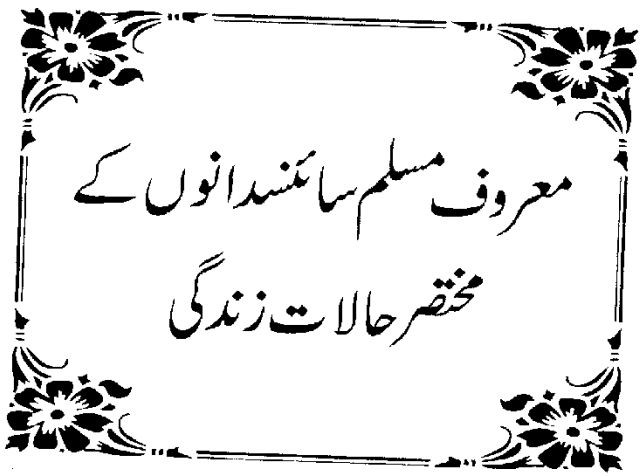

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ابوعلی محمد الحسن ابن الہیثم

965ء___1039ھ

پورا نام ابوعلی الحسن یا محمد ابن الحسن یا الحسین بن الہیثم ہے، ازمنہ متوسطہ کے یورپی ماخذ میں اسے بالعموم ال ہیزن Al hazen لکھا گیا ہے۔ (اسلامی دنیا اور ازمنہ متوسطہ کا سب سے بڑا طبیعات دان، جس کا شمار ہمیشہ بڑے بڑے ماہرین بصریات میں ہوتا رہے گا۔ وہ ہیئت دان بھی تھا، عالم ریاضیات بھی اور طبیب بھی۔) اسے طب اور فلاسفہ متقدمین کے ارسطاطالیسی فلسفے پر پوری پوری دسترس حاصل تھی۔ مزید برآں اس نے ارسطو اور جالینوس کی شرح بھی کی۔ وہ 354ھ/965ء کے قریب بصرے میں پیدا ہوا، اسی وجہ سے بعض اوقات اسے ابوعلی البصری بھی کہا جاتا ہے۔ وہ اچھی خاصی عمر میں مصر آیا، جہاں اس نے چند سال فاطمی خلیفہ الحاکم کی ملازمت میں گزارے۔ معلوم ہوتا ہے خلیفہ نے خود اسے مصر آنے کی دعوت دی تھی۔ مصر آ کر اس نے خلیفہ سے اس امر کی پیشکش کی کہ وہ نیل کے بہاؤ کو قابو میں لا سکتا ہے، لیکن (اسوان کے قریب دریا کا معائنہ کرنے کے بعد اسے جلد ہیہ منصوبہ ترک کرنا پڑا۔ (اس پر اسے بے حد خجالت ہوئی۔ بایں ہمہ خلیفہ نے بعض دواوین (محکمے) اس کے سپرد کر دیئے، جن میں وہ ارادۃً نہیں، بلکہ خلیفہ کے ڈر سے مجبوراً کام کرتا رہا۔ اس نے یہ بھی ظاہر کیا کہ اس کے دماغ میں فتور ہے، تا آنکہ الحاکم کا انتقال ہو گیا جس کے بعد وہ ریاضی اور بعض دوسرے علوم میں اپنی تصنیفات کی بدولت گزر اوقات کرتا رہا۔ اس نے 430ھ/1039ء کے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آخر یا اس کے فوراً بعد وفات پائی، جیسا کہ اس کے تراجم میں مذکور ہے۔ علم ہیئت میں اپنی مہارت کے باعث اسے بطلیموس ثانی بھی کہتے ہیں) ابن ابی اصیبعۃ نے ابن الہیثم کی کوئی دو سو کتابوں اور رسالوں کا ذکر کیا ہے، جو اس نے ریاضیات، ہیئت، طبیعیات، فلسفہ اور طب میں تصنیف کیں اور جن کے لیے قارئین کو مآخذ ذیل سے رجوع کرنا چاہیے، بالخصوص (ابن ابی اصیبعۃ کے علاوہ) F.Woepcke اور E.Wiedmann کی تصنیف سے۔ طبیعیات میں اس کی اہم ترین تصنیف Optics یعنی کتاب المناظر (یا تنقیح الناظر) ہے، جس کا لاطینی ترجمہ 1572ء میں F.Risnes نے Basle سے ''شفق'' پر مصنف کے ایک رسالے کے ساتھ بعنوان Opticae thesaurus Alhazeni Arabis bibriseptem nune premin edite. Eiusdem lober de crepusculis et nubium ascensionibus, etc., a Fred. Risnero شائع کیا۔

لاطینی میں مؤخرالذکر مقالے کا ترجمہ Gerhard of Cremona نے کیا تھا اور غالباً المناظر کا بھی (1572ء) میں جس کے متعلق یقین سے ابھی تک کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ قرون وسطیٰ میں راجر بیکن Roger Bacon سے لے کر کپلر تک یورپ نے علم مناظر کے مطالعے میں ابن الہیثم کی کتاب المناظر سے نہایت گہرا اثر قبول کیا۔ اس میں آنکھ کا مکمل بیان موجود ہے اور رؤیت کی نہایت عمدہ تشریح کی گئی ہے عربی میں کمال الدین ابوالحسن الفارسی (م:1320ء) نے المناظر کی جو ضخیم شرح لکھی تھی وہ بھی اب تک موجود ہے۔ شرح مذکور اور ابن الہیثم کی المناظر کے لیے دیکھئے ویڈمان کے مصنفات۔

(ابن الہیثم نے عکسیات (catoptrics)، کروی اور شلجمی (parabolic) آئینوں، کروی انحرافات (aberrations) اور انعطافات (dioptries) میں بھی تحقیقات کی۔ وہ کہتا ہے کہ زاویۂ وقوع (incidence) اور زاویۂ انحراف کی نسبت یکساں نہیں رہتی۔ عدسہ میں یہ قوت ہے کہ ہر چیز کی

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جسامت کو بڑھا دے۔ اس نے فضائی انعطاف کا مطالعہ کیا۔ اس کے نزدیک شفق کی ابتدا یا انتہاء اس وقت ہوتی ہے جب آفتاب افق سے 19 درجے نیچے ہو اور اس بناء پر فضا کا ارتفاع معلوم کرنے کی کوشش بھی کی۔ وہ دوچشمی رؤیت (vision binocular) کی توجیہ کرتا ہے اور اس نے افق کے قریب چاند اور سورج کی جسامتوں میں اضافے کی نہایت صحیح تشریح کی ہے۔ ابن الہیثم پہلا شخص ہے جس نے حجلۂ تاریک (camera obscura) استعمال کیا۔

ابن الہیثم کے رسائل، جن میں سے بعض عربی میں شائع ہوئے (حیدر آباد 1357ھ) صرف ترجموں کی شکل میں دستیاب ہوتے ہیں۔

ابن العبری، تاریخ مختصر الدول: ۳۱۶، البیہقی، تاریخ حکماء الاسلام: ۸۵، جمیل بک، عقود الجوہر: ۱/۵۴، بعدہ، مصطفیٰ نظیف، الحسن بن الہیثم، کشف الظنون: ۱/۱۳۸، سارٹن G.Sarton: Introduction to the Hostory of Science، ج ۱)[1]

[1] بحوالہ اردو دائرہ معارف اسلامیہ: ۱/۳۰۷

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

الفارابی ابونصر محمد بن محمد بن طرخان بن اوزیلغ

(870ء___950ء)

الفارابی کا پورا نام ابونصر محمد بن محمد بن طرخان بن اوزیلغ ہے۔ لاطینی میں اس کے نام کی بہت سی صورتیں ہیں، لیکن عام طور پر اسے Alpharabius اور Abunazar کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ وہ ترکی النسل تھا۔ علاقہ فاراب کے ایک شہر وسیج میں 870ء کے لگ بھگ پیدا ہوا اور وہ تقریباً اسی سال کی عمر میں بمقام دمشق 950ء میں انتقال کر گیا۔ الفارابی کی فاراب کے جس علاقے میں ولادت ہوئی، وہ سیر دریا کے وسطی حصے میں اس کے معاون دریا ایرس (Aris) کے دہانے کے قریب دریا کے دونوں جانب واقع ہے۔ یہ علاقہ 40-839 میں سامانیوں نے فتح کیا اور اسے اپنی مملکت میں شامل کر لیا۔ اسی زمانے میں غالباً الفارابی کے دادا نے اسلام قبول کیا۔ اس کا والد فوجی افسر تھا اور اسے ایرانی النسل اُمراء میں شمار کیا جاتا تھا۔ بظاہر وہ ان سامانی امیروں کی ملازمت میں تھا جو ایران کے قدیم ساسانی بادشاہوں کی اولاد میں سے ہونے کے دعویدار تھے اور جدید فارسی ادب کی نشوونما کی بڑی سرپرستی کرتے تھے۔ ایران سے اپنے ان دیرینہ روابط کے باوجود الفارابی کے گھرانے میں سُغدی یا کوئی ترکی بولی رائج تھی اور آداب مجلس اور ملبوسات میں بھی وہ ترکوں ہی کا تتبع کرتے تھے۔ الفارابی نے اپنی تعلیم کا آغاز علوم متداولہ سے کیا اور اس دوران میں اس نے اسلامی فقہ پر خصوصی توجہ دی۔ جس علاقے میں الفارابی پیدا ہوا تھا، وہاں شافعی فقہ مروج تھی۔ اس لیے اس نے اسی فقہی مسلک پر

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کامل دستگاہ حاصل کی۔ بعد میں الفارابی نے بخارا میں علم موسیقی کا مطالعہ شروع کیا اور اس فن میں مہارت تامہ حاصل کر لی۔ یہاں سے اپنی تعلیم مکمل کر کے وہ مرو چلا گیا اور وہاں اس نے سریانی بولنے والے ایک نسطوری عیسائی یوحنا بن حیلان سے منطق پڑھنا شروع کیا یہی شخص بغداد میں اور شاید حران میں بھی اس کا استاد رہا۔ الفارابی اپنے اس غیر مسلم استاد کا بڑا احترام کرتا تھا اور اس نے اپنی کتابوں میں جا بجا اسے اپنے استاد الاستاذ قرار دیا ہے۔

معتضد کے دور خلافت (892ء-902ء) میں الفارابی اور اس کا استاد دونوں بغداد چلے گئے۔ وہاں استاد نے اپنے مذہبی فرائض سنبھالے اور نسطوری خانقاہوں کے انتظام میں مصروف ہو گیا۔ یہاں اس کے شاگردوں کی تعداد بہت تھی، لیکن ان میں الفارابی وہ واحد مسلمان شاگرد تھا جو اس سے فلسفہ اور منطق کے علوم سیکھ رہا تھا۔ الفارابی نے اپنی تعلیم سریانی یا یونانی یا ان دونوں زبانوں میں حاصل کی۔ عربی مآخذ میں اس بات کا بالکل ذکر نہیں کیا گیا کہ الفارابی کا استاد عربی زبان سے واقف تھا یا نہیں۔ ان کتابوں میں اس کا ذکر صرف الفارابی کے استاد کی حیثیت سے ہوتا ہے۔ علاوہ ازیں ابن حیلان کا بغداد کے فلاسفہ سے بھی کوئی رابطہ نہیں تھا کیونکہ اُن کی تعلیم اور تصنیف و تالیف کی زبان عربی ہی تھی۔ مزید برآں جب الفارابی بغداد پہنچا تو وہ ترکی زبان اور بعض دوسری زبانیں تو جانتا تھا لیکن عربی سے نابلد تھا۔ اس لیے وہ فلسفہ کی تعلیم اس زبان میں حاصل نہ کر سکتا تھا۔ اس بات کا امکان بھی نہیں کہ اس نے ذریعہ تعلیم ترکستانی یا سغدی یا جدید فارسی زبانوں کی مدد سے مختلف اسلامی علوم سیکھے ہوں۔ بعد میں الفارابی نے عربی زبان سیکھی اور یہ زبان سکھانے میں معروف زبان دان ابن السراج نے اس کی بڑی مدد کی۔ الفارابی اس سے عربی زبان کی باریکیاں سمجھتا تھا اور اس کے بدلے میں وہ اس کو منطق اور موسیقی کی تعلیم دیتا تھا۔ چند ہی سالوں میں الفارابی نے عربی میں اتنی مہارت حاصل کر لی کہ اس کی تحریریں سادہ اور غیر مبہم عربی فلسفیانہ نثر کا نمونہ قرار پائیں۔ عربی پر عبور حاصل کرنے کے بعد الفارابی بغداد کے فلسفیوں کے حلقوں میں حصہ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لینے لگا اور وہ عربی زبان میں موجود ذخیرۂ علوم سے استفادہ کرنے کے قابل ہو گیا۔ المکتفی کے دورِ خلافت (902ء-908ء) میں یا المقتدر کے دور خلافت (908ء-932ء) کے آغاز میں الفارابی بغداد چھوڑ کر بغرض تحصیل علم قسطنطنیہ چلا گیا۔ پہلے اس نے ابن حیلان کے ہمراہ حران تک کا سفر کیا۔ الخطابی (937ء-998ء) نے الفارابی کے اپنے بیان کے حوالے سے کہا ہے کہ اس کے عبد الفارابی نے یونان کا رخ کیا اور وہاں آٹھ سال رہا۔ اس عرصہ میں اس نے علوم کی تکمیل کی اور فلسفہ میں اپنی تعلیم کو مکمل کر لیا۔

زبان دانی میں الفارابی کی دلچسپی، بغداد میں قیام کے دوران سریانی اور یونانی اساتذہ سے اس کے رابطے اور اس عہد میں اس بات کی آسانی کہ کوئی بھی مسلمان عالم اپنی علمی پیاس بجھانے قسطنطنیہ جا سکتا تھا، ایسے شواہد ہیں جن کی بنا پر الخطابی کی فراہم کردہ معلومات کے معتبر ہونے میں شک نہیں کیا جا سکتا۔ ان تفصیلات سے الفارابی کی فکر اور تصانیف کے کئی نئے پہلو بھی سامنے آتے ہیں۔ مثلاً یہ کہ اس نے اپنی افلاطونیت کی خصوصیات، روایات اور مآخذ تک رسائی حاصل کی۔ اسی طرح الفارابی کی تصانیف سے اس بات کا علم ہوتا ہے کہ پلوٹینس (Plotinus) اور مائیکل سیلس (Michael Psellus) کی درمیانی مدت میں قسطنطنیہ کی یونیورسٹی میں فلسفہ کی تعلیم کا کون سا کورس رائج تھا۔

910ء اور 920ء کے درمیان کسی وقت الفارابی قسطنطنیہ واپس لوٹ آیا اور یہاں بیس برس سے زائد عرصہ تصنیف و تالیف اور تدریس میں گزارا۔ اسی زمانے میں چار دانگ عالم میں اس کی شہرت بطور ایک فلسفی پھیل گئی اور یہ کہا جانے لگا کہ ارسطو کے بعد اگر اس پائے کا کوئی فلسفی اس دنیا میں آیا ہے تو وہ الفارابی ہی ہے۔ اس کے استاد ابن حیلان کا انتقال 932ء سے قبل بغداد میں ہو چکا تھا۔ اس کے شاگردوں میں یوں تو بڑی معروف ہستیوں کے نام ملتے ہیں، لیکن ان میں دو شاگردوں کا نام قابل ذکر ہے۔ ایک معروف یعقوبی عیسائی عالم دین اور فلسفی یحییٰ بن عدی ہے جو بغداد میں اپنی وفات (975ء) تک اپنے فلسفیانہ مدرسۂ فکر کا

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سربراہ رہا اور دوسرا اس کا بھائی ابراہیم جو الفارابی کی وفات سے ذرا پہلے تک حلب میں اس کے ساتھ تھا ان ہمدرس اصحاب کے علاوہ فلسفیانہ افکار کے حقیقی وارث ابن سینا، ابن رشد اور ابن میمون جیسی قدر آور شخصیتیں ہیں۔ الفارابی کا اثر ارسطو اور افلاطون کے مطالعات اور ان شروح سے عیاں ہے، جو عربی، عبرانی اور لاطینی میں لکھی گئیں۔

فلسفہ اور فلسفیانہ طرزِ زندگی کا دفاع کرتے ہوئے الفارابی نے اپنے آپ کو ان مذہبی، فرقہ وارانہ اور سیاسی مناقشات سے دور رکھا، جو اس وقت بغداد میں زوروں پر تھے۔ وہ کسی مخصوص مذہبی فرقے یا مسلک سے تعلق نہیں رکھتا تھا۔ اس کے ابائی وطن کے کئی افسر اس کے دوست رہے ہوں گے اور ان کا تعلق فوج کے سرکردہ عہدیداروں اور خلیفہ کے دستۂ محافظین سے رہا ہوگا۔ غالباً ان کے ذریعے اس کا رابطہ ان سربرآوردہ سیکرٹریوں اور وزیروں سے ہوا ہوگا، جو علوم فلسفہ کی سرپرستی کرتے تھے۔ ان میں ابن الفرات، علی بن عیسیٰ اور ابن مقلہ کے نام قابل ذکر ہیں۔ الفارابی نے موسیقی پر اپنی اہم ترین کتاب ابوجعفر الکرخی کے اماء پر لکھی، جس نے 936ء میں قلمدانِ وزارت سنبھالا۔ یہ کتاب موسیقی کی تاریخ اور فن میں بڑی اہمیت کی حامل ہے۔ ❶

❶ (معروف مسلم سائنسدان: ص ۲۹۷)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ابوعلی حسین ابن عبداللہ سینا

980ء ___ 1037ھ

ابوعلی الحسین ابن عبداللہ (لاطینی میں Avicenna عبرانی میں Aven Sina، گو یورپ میں ابن سینا کا استعمال عام ہو رہا ہے جامع العلوم فلسفی، طبیب، ریاضی دان اور فلکی، دنیائے اسلام کا شہرۂ آفاق سائنس دان جس کو مشرق نے بجا طور پر ''الشیخ الرئیس'' یعنی تاجدار علم وحکمت کے لقب سے یاد رکھا اور دنیا کی ہر نسل، ہر ملک اور ہر زمانے کے اشہر شہیر ارباب علم وفضل میں سے ایک ہیں۔ بقول ابن ابی اصیبعۃ۔ ❶

ابن سینا کا باپ عبداللہ ماوراء النہر کے سامانی امیر نوح ثانی (976 تا 997ء) کے عہد میں اپنے وطن مالوف بلخ سے بخارا آیا اور ارباب حکومت میں رسوخ کی بدولت ایک اعلیٰ عہدے پر مامور ہو گیا، لیکن کچھ دنوں کے بعد جب محکمۂ مالیات میں ایک دوسرا عہدہ ملنے پر اسے بخارا کے نواح میں خرمشین (خرمیطا) بھیجا گیا تو اس نے پاس ہی کے ایک قریے افشنہ میں شادی کر لی اور ہیں صفر، 370ھ/ اگست 980ء میں ابن سینا کی ولادت ہوئی۔ چھے برس کی عمر میں وہ اپنے باپ کے ساتھ بخارا پہنچا، جہاں اس کی تعلیم وتربیت کا آغاز ہوا۔ دس سال کی عمر میں اس نے قرآن مجید حفظ کیا اور پھر مختلف اساتذہ کے ہاں حساب، فقہ اور علم کلام کے علوم تحصیل کی۔ ادب کا مطالعہ وہ اس سے پہلے کر چکا تھا۔ علوم سے رغبت کی وجہ تھی اسماعیلی دعاۃ کی صحبت نصیب ہوئی، جو اس کے باپ کے ہاں اکثر آیا جایا کرتے تھے، یہ دوسری

❶ طبقات الاطباء، طبع مُلر A. Muller، ۲:۲ ببعد

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بات ہے کہ نفس اور عقل کے بارے میں وہ ان کی گفتگو سے کوئی اثر قبول نہ کرتا۔ منطق ،فلسفہ، ہندسہ اور ہیئت (کتاب المجسطی کے آخری اسباق تک) کی تعلیم اس نے ابوعبداللہ الناتلی سے حاصل کی، جو اتفاقاً بخارا آیا اور اس کے باپ کے یہاں ٹھہرا تھا، تاہم شاگرد کے ذہنی نشوونما کی رفتار اتنی تیز تھی کہ وہ تھوڑے ہی دنوں میں استاد سے سبقت لے گیا۔ اس دوران میں وہ خود بھی طبیعیات، مابعد الطبیعیات اور طب کا مطالبہ کر رہا تھا، چنانچہ طب میں تو اس نے جلد ہی مہارت پیدا کر لی، بلکہ علاج معالجے اور براہ راست تجزیوں اور مشاہدوں کی مدد سے اپنی معلومات کی تکمیل بھی کرتا رہا۔

کہتے ہیں کہ علم طب جب معدوم تھا تو اسے بقراط نے پیدا کیا، جب وہ مر چکا تھا تو جالینوس نے اسے زندگی بخشی، جب وہ متفرق اور پراگندہ تھا تو الرازی نے اسے سمیٹا اور وہ ناقص تھا تو ابن سینا نے اسے مکمل کیا۔ یوں 18 سال کی عمر تک وہ دن رات پڑھنے لکھنے میں مشغول رہتا۔ نیند کا غلبہ ہوتا تو کوئی چیز پی لیتا تاکہ مطالعے میں فرق نہ آئے۔ سونے میں بھی اس کا ذہن مسائل میں الجھا رہتا، بلکہ بعض مسئلے تو نیند ہی کی حالت میں حل ہوتے۔ مابعد الطبیعیات کو البتہ وہ باوجود کوشش کے سمجھ نہیں سکا، چنانچہ یہ موضوع ارسطو کے بار بار مطالعے کے باوجود اس کی سمجھ میں نہیں آیا، تاآنکہ ایک روز کسی دلاّل کے مشورے سے اس نے فارابی کی ایک کتاب (الابانۃ) نیلام میں خریدی، جس سے یہ موضوع تمام وکمال اس کی سمجھ میں آ گیا۔ ابن سینا کو اس پر اتنی مسرت ہوئی کہ وہ اللہ کے حضور گر گیا اور سجدۂ شکر بجالایا۔

اس اثناء میں ایک بڑا اہم واقعہ پیش آیا۔ ابن سینا کی عمر 16-17 برس کی ہوگی جب نوح بن منصور تاجدار بخارا کا علاج اس نے نہایت کامیابی سے کیا اور اس کے صلے میں اسے کتب خانہ شاہی کا مہتمم مقرر کر دیا گیا۔ یہاں اپنی عدیم النظیر قوت حافظہ، ذہانت اور فطانت کی بدولت ابن سینا اپنے مشاغل علم میں تیزی سے آگے بڑھ رہا تھا کہ اس کے اطمینان اور فارغ البالی کا یہ زمانہ دیکھتے ہی دیکھتے ختم ہو گیا۔ وہ بیس برس کا تھا جب اس کے باپ نے وفات پائی اور اس کے تھوڑے ہی دنوں بعد بخارا کے سامانی امیر کا بھی انتقال ہو گیا، چنانچہ اب ابن سینا نے اپنی زندگی

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے اس دور میں قدم رکھا جس میں پریشانیاں ہی پریشانیاں تھیں۔ فرماں روا بخارا کی موت اس سیاسی اختلال کی تمہید تھی جو دولت سامانیہ میں رونما ہوا اور جس کے پیش نظر ابن سینا نے بخارا کو خیر باد کہا۔

1001ء میں وہ خوارزم پہنچا، جہاں علی ابن مأمون کے دربار میں اسے ابو ریحان البیرونی، ابونصر العراقی اور ابو سعید ابوالخیر ایسے علماء وصوفیہ سے ملنے کا موقع ملا۔ خوارزم میں چند دن گزارنے کے بعد اس نے عراق عجم کا رخ کیا، لیکن یہاں بھی بسبب اختلاف عقائد وہ سلطان محمود غزنوی کے خوف سے زیادہ دن نہیں ٹھہرا، بلکہ جان بچا کر جرجان پہنچا (1009ء) جہاں وہ بہت جلد ایک نئے مخمصے میں گرفتار ہو گیا۔

1015ء میں جرجان سے رے جاتے ہوئے اس نے ان چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں جو دیالمہ (آل بویہ) کے انتزاع سلطنت پر جا بجا اٹھ کھڑی ہوئی تھیں بڑی پریشانی سے زندگی بسر کی۔ اس پر آشوب زمانے میں وہ کبھی وزیر، کبھی فلسفی، کبھی طبیب اور کبھی مشیر اور ناصح کے فرائض سرانجام دیتا اور کبھی اسے سیاسی مجرم قرار دیا جاتا۔

1022ء کا آغاز ہوا تو اسے امیر علاء الدولۃ ابوجعفر کاکویہ کی صحبت میسر آ گئی، جو خود ایک آزاد خیال اور عالم و فاضل انسان تھا۔ امیر موصوف ہمیشہ ابن سینا کو اپنے ساتھ رکھتا، چنانچہ ابن فارس سے مقابلہ پیش آیا تو ابن سینا بھی علاء الدولۃ کے ہمراہ تھا۔ اسی دوران میں ابن سینا بیمار پڑ گیا اور پھر جوں جوں مہم نے طول کھینچا اس کی بیماری میں اضافہ ہوتا گیا، جو نتیجہ تھا دراصل ایک بے احتیاط، حد درجہ غیر معتدل اور مسرفانہ زندگی کا اور جس نے اس کی صحت کو مدت سے خراب کر رکھا تھا۔ بیماری ہی کی حالت میں وہ نحیف و ناتواں اصفہان لوٹا، جہاں بظاہر اس کی حالت سنبھل گئی، لیکن کچھ دنوں بعد جب وہ پھر علاء الدولۃ کے ساتھ ہمدان روانہ ہوا تو مرض قولنج نے، جس کی شکایت اسے ایک عرصے سے تھی، پوری شدت سے اس پر حملہ کیا، حتیٰ کہ 4- رمضان 428ھ/ 21- جون 1037ء کو اس کا انتقال ہو گیا۔ ہمدان میں اس کا مدفن اب تک موجود ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ابن سینا کے تحریری مشاغل کا آغاز اگرچہ بہت جلد ہو گیا تھا لیکن یہ جرجان، ہمدان اور اصفہان کے شاہی دربار تھے جہاں اس نے اپنی عظیم الشان تصنیفات کی تکمیل کی۔ پھر جب اس کی پرآشوب زندگی کا آغاز ہوا تو باوجود سیر و سفر وہ اپنی ضخیم کتابوں کے خلاصے اور کئی ایک متفرق رسالے تیار کرتا رہا۔ اس کی نظر اس قدر جامع، اس کا ذہن اتنا ہمہ گیر اور جملہ علوم وفنون پر اس کی دسترس اس حد تک مکمل اور گہری تھی کہ آئندہ کئی صدیوں تک علم وحکمت کا سارا نظام اسی کے قائم کردہ راستے پر چلتا رہا۔

ابن سینا کی کتب:

ابن سینا کی تصنیفات بہت ہیں، نظم اور نثر دونوں میں، لیکن بیشتر عربی اور کچھ فارسی میں ہیں جن کی تفصیل اس مختصر رسالے میں ممکن نہیں ہے تاہم علم کے شوقین کتب مطولہ کی طرف رجوع کر سکتے ہیں۔ چند ایک مطبوعہ کتب درج ذیل ہیں:

(1) الارجوزة السينائية، جس کا دوسرا نام الارجوزة فی الطب بھی ہے، لکھنؤ 1261ھ۔

(2) اسباب حدوث الحروف، مصر 1914ء۔

(3) الاشارة إلى علم فساد احكام المنجمين، اسے رسالة فی ردالمنجمين بھی کہتے ہیں، طبع مہران۔لوفان، 1885ء۔

(4) رفع المضار الكلية عن الابدان الانسانية، ابن ابوبکر الرازی کی منافع الاغذیہ کے حاشیے پر طبع ہوئی، 1305ھ۔

(5) شفاء الاسقام فی علوم الحروف والارقام، مصر 1328ھ۔

(6) القصيدة العينية، تیس ابیات کا قصیدہ، جو القصیدۃ الغراء کے نام سے بھی مشہور ہے، چاپ سنگی 1635ء، بمبئی 1306ھ۔

(7) القصيدة المزدوجة فی المنطق، بون 1836ھ۔

(8) منطق المشرقين، المزدوجة فی المنطق، بون 1836ھ۔ ❶

❶ اردو دائرہ معارف اسلامیہ: ۱/۵۷۲

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ابن البیطار المالقی ابو محمد عبداللہ بن احمد ضیاء الدین

(1190ء___1248ء)

ابن البیطار المالقی کا پورا نام ابو محمد عبداللہ بن احمد ضیاء الدین ہے اور وہ 1190ء میں سپین کے ایک شہر مالقہ میں پیدا ہوا۔ اس کا تعلق غالباً اس شہر کے بیطار خاندان سے تھا۔ اس دور کی سوانحی کتب میں اس خاندان کے بارے میں تفصیلی معلومات درج ہیں۔ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ وہ ہسپانوی رومی نسل سے تعلق رکھتا تھا لیکن فی الحال اس تعلق کا کوئی ٹھوس ثبوت نہیں مل سکا۔ ابن البیطار نے 1248ء میں دمشق میں وفات پائی۔ وہ جڑی بوٹیوں اور نباتات کے علوم پر گہری نظر رکھتا تھا اور یہی اس کی شہرت کا باعث ہے۔

ابن البیطار نے ابتدائی تعلیم سپین کے شہر اشبیلیہ میں حاصل کی۔ یہاں وہ اپنے اساتذہ ابوالعباس النباتی، عبداللہ ابن صالح اور ابوالحجاج کے ہمراہ شہر کے گردو نواح سے پودے جمع کیا کرتا تھا۔ وہ الغافقی، الزہراوی، الادریسی، دسقوروس اور جالینوس کی تحریروں کا مطالعہ بڑے شوق سے کیا کرتا تھا۔

1220ء کے لگ بگ ابن البیطار نے بلاد شرقیہ کی طرف ہجرت کی اور شمالی افریقہ سے ہوتے ہوئے 1224ء میں ایشیائے کوچک اور شام کا بحری سفر کیا۔ آخر کار وہ قاہرہ میں سکونت پذیر ہوا۔ مصر میں اس وقت ایوبی خاندان کے بادشاہ الکامل کی حکومت تھی۔ ابن البطیار نے اس کی ملازمت اختیار کر لی۔ وہ اس ایوبی سلطان کے دربار میں ماہرین نباتیات کا افسر اعلیٰ مقرر ہوا اور الکامل کے بیٹے اور

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جانشین الصالح کے عہد میں بھی وہ اسی عہدے پر کام کرتا رہا۔ ابن البیطار اپنے شاگردوں اور ساتھوں کے ہمراہ کبھی کبھی عرب، فلسطین، شام اور عراق کا سفر کیا کرتا تھا۔ اس کے جانے پہچانے شاگردوں میں ایک نام ابن ابی اصیبعہ کا ہے، جس نے اپنی کتاب ''عیون الانباء'' میں اپنے استاد کے متعلق تعریفی کلمات لکھے ہیں، لیکن ابن البیطار کے تفصیلی حالات زندگی جاننے کے لیے یہ کتاب کچھ زیادہ مدد نہیں کرتی۔

ابن البیطار نے دو کتابیں یادگار چھوڑی ہیں۔ یہ کتابیں اس کی تمام عمر کی تحقیقات اور مشاہدات کا نچوڑ ہیں اور یہی اس کی عالمگیری شہرت کا باعث ہیں۔ ان دو کتابوں کے عنوانات ''المغنی فی الادویۃ المفردۃ'' اور ''الجامع المفردات الادویۃ والاغذیۃ'' ہیں۔

پہلی کتاب ''المغنی'' سلطان الصالح کے نام منسوب ہے اور اس میں مختلف امراض کے لیے موزوں سادہ دواؤں اور ان کے خواص سے بحث کی گئی ہے۔ اسے اعضائے ماؤفہ کے اعتبار سے ایک سہل شکل میں طبیبوں کے استعمال کے لیے مرتب کیا گیا ہے۔ دوسری کتاب یعنی ''الجامع'' میں حیوانات، نباتات اور معدنیات کے ذریعے معالجے کے تقریباً 1400 سہل نسخوں کو حروف تہجی کے اعتبار سے ترتیب دیا گیا ہے۔ اس کتاب کی ترتیب میں ابن البیطار نے اپنے تجربات کے علاوہ اندازاً 150 یونانی اور عرب ماہرین موضوع سے بھی استفادہ کیا۔ ان ماہروں میں الرازی اور ابن سینا کے نام بھی شامل ہیں۔

ابن البیطار کا سب سے اہم کارنامہ ان دریافتوں کو ایک باقاعدہ شکل میں ترتیب دینا تھا جو قرون وسطی میں عربوں نے کی تھیں۔ اس طرح متقدمین کی ہزاروں دوائیوں کی فہرست میں مزید 300 سے 400 ناموں کا اضافہ ہوا۔

اس نے عربی، فارسی، بربری، یونانی، لاطینی، رومانی اور عرب کی علاقائی زبانوں کے درمیان فنی مترادفات قائم کرنے کی طرف بھی خاصی توجہ دی۔ اس مقصد کے لیے اس نے ابن میمون کی ''شرح اسماء العقار'' سے بہت مدد لی کیونکہ وہ خود اس کا ترجمہ بھی کر چکا تھا۔ مئیر ہوف (Meyerhof) اور سوبھی (Sobhy) ''الجامع''

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے بارے میں اس خدشے کا اظہار کرتے ہیں کہ اس کی معلومات میں کوئی نیا پن نہیں ہے، بلکہ یہ الغافقی کی ''کتاب الادویہ'' کا چربہ ہے۔ الغافقی کی اس کتاب کا ابن البیطار نے 200 سے زیادہ جگہوں پر حوالہ دیا ہے۔ متذکرہ مستشرقین نے اپنے جس شبے کا اظہار کیا ہے، اس پر اعتبار کرنا مشکل ہے۔ اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ از منہ وسطی کا علمی دیانتداری کا تصور موجودہ دور کے مقابلے میں مختلف تھا۔ دوسری وجہ یہ کہ الغافقی کی تحریر صرف ابن العبری (Barhebraeus) کی ملخص شدہ صورت میں محفوظ ہے۔

مشرق وسطی کے اسلامی ممالک کے اندر اور باہر ادویہ کے موضوع پر جتنی کتابیں لکھی گئیں، ان پر ''الجامع'' کے گہرے اثرات پڑے ہیں۔ اس کے برعکس مغرب میں اس کا اثر بہت کم ہوا کیونکہ عربی سے لاطینی میں تراجم کا دور تیرھویں صدی عیسوی کے وسط میں ختم ہو گیا تھا۔ تاہم Andrea Alpago نے ابن سینا پر اپنی تحریروں میں ''الجامع'' سے بھرپور استفادہ کیا ہے۔ عہد متاخرین میں یہ کتاب ولیم پورٹل (William Portel) اور گالاں (Antoine Galland) جیسے عرب دانوں کی توجہ کا مرکز رہی اور انہوں نے اس کا خلاصہ اور فرانس میں محفوظ اس کا قلمی نسخہ شائع کیا۔

ان دو مشہور کتابوں کے علاوہ ابن البیطار نے کچھ اور کتابیں بھی لکھی تھیں، لیکن وہ زیادہ مقبول نہیں ہو سکیں۔ ایسی کم معروف کتابوں میں ''میزان الطبیب''، ''رسالۃ فی الاغذیۃ والادویۃ''، ''مقالہ فی الیمون'' (اسے ابن الجمع کے نام سے منسوب کیا گیا اور Alpago کے لاطینی ترجمہ کی صورت میں موجود ہے) اور دسقوردس (Dioscorides) کی کتاب کی ایک شرح جس کا ایک خطی نسخہ حال ہی میں دستیاب ہوا ہے۔ اس کتاب میں ابن البیطار نے نہ صرف 550 دوائیوں کی فہرست درج کی ہے جو دسقوردس کی پہلی چار کتابوں میں ملتی ہیں بلکہ اکثر و بیشتر ان کے مترادفات بھی دیئے ہیں۔ ❶

❶ (معروف مسلم سائنسدان: ص ۸۳۱)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ابوبکر محمد ابن یحییٰ ابن باجہ

1080ء___1138ھ

ابوبکر محمد بن یحییٰ المعروف بہ الصائغ (زرگر)، ابن ابی اصیبعۃ (عیون الانباء ۲:۶۲، مصر ۱۲۹۹ھ)، ابن خاقان (قلائد، ۳۴۶)، براکلمان (تکملۃ، ۱:۸۳۰ وایلوارٹ (فہرست کتب خانۂ برلن، ج ۴: شمارۃ ۵۰۶۰) نے اس کے نام ونسب کے بیان میں اسے ابن الصائغ لکھا ہے۔ اس کے سب سے پہلے مجموعہ تالیفات میں، جو اس کے شاگرد ابن الامام نے مرتب کیا، کہیں اسے ابن الصائغ نہیں لکھا گیا۔ اسے عام طور پر ابن باجۃ کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔ ابن خلکان (وفیات، طبع وستنفلٹ، عدد ۶۸۱) اور المقری (نفح الطیب، ۴:۲۰۱) کے نزدیک باجۃ لغت فرنگ میں چاندی کو کہتے ہیں۔ ابن خلکان اور المقری نے ابن باجۃ کے القاب میں التجیبی کا اضافہ بھی کیا ہے۔ یہ نسبت آل تجیب کی طرف ہے جو پانچویں صدی ہجری/گیارہویں صدی میلادی میں سرقسطہ پر حکمران رہے۔ ابن باجۃ کے نام کی لاطینی شکل Avenpace ہے۔ ابن باجۃ پانچویں صدی ہجری/گیارہویں صدی میلادی کے آواخر میں سرقسطہ میں پیدا ہوا۔

ابن باجۃ کی ابتدائی زندگی اور زمانۂ طالب علمی کے حالات معلوم نہیں۔ حصول علم کے بعد وہ کئی سال سرقسطہ کے مرابطی حاکم ابوبکر بن ابراہیم کا وزیر رہا۔ ابن القفطی اور ابن خاقان نے لکھا ہے کہ ابن باجۃ اس منصب پر بیس برس تک مامور رہا، لیکن بعض تاریخی حقائق کے پیش نظر وزارت کا اتنا لمبا عرصہ مستبعد معلوم ہوتا ہے۔ فاس میں وہ ابوبکر یحییٰ بن یوسف تاشفین کی وزارت کے منصب پر بھی رہا۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ابن باجۃ بہت بڑا فلسفی، قابل سائنس دان، عالم ادب ونحو، حاذق طبیب، ممتاز موسیقی نویس اور آتش نفس نے نوازا تھا۔ موسیقی میں اسے مغرب میں وہی مقام حاصل تھا جو مشرق میں فارابی کو حاصل ہے۔ سیوطی نے اسے فلسفے میں مغرب کا ابن سینا کہا ہے۔ اس کے علم وفضل کا تمام مؤرخین کو اعتراف ہے۔ خود ابن خاقان، جس نے قلائد العقیان میں اس کی طرف کفر وزندقہ کی نسبت کی ہے اور اخلاقی لحاظ سے اسے مورد طعن بنایا ہے، اپنی دوسری کتاب مطمح الانفس میں اس کے علم وفضل کی تعریف کرتا ہے۔ ❶

ابن باجۃ نے طب، ہندسہ، ہیئت، طبیعیات، الکیمیا اور فلسفے پر متعدد رسائل لکھے ہیں۔ ان کا مکمل ترین اور سب سے قدیم مجموعہ اوکسفورڈ میں ایک مخطوطے کی شکل میں محفوظ ہے۔ اس مخطوطے کے بیچ میں سے چند اوراق غائب ہیں۔ یہ مخطوطہ ۲۲۲ صفحات پر مشتمل ہے۔ خط نسخ میں قاضی حسن بن محمد کا ربیع الثانی 547ھ میں لکھا ہوا یہ مخطوطہ اوکسفورڈ کے پروفیسر ایڈورڈ پوکک (Edward Pocock) نے علاقۂ شاموموصل سے سترہویں صدی میلادی میں حاصل کیا تھا۔ یہ نسخہ ابن الامام کے نسخے سے منقول ہے۔ اس میں بتیس رسالے شامل ہیں۔ ❷

ابن باجۃ کی تالیفات کا ایک مجموعہ سپین میں بھی محفوظ ہے، لیکن وہ صرف اس کے منطق کے رسائل پر مشتمل ہے۔ اس نسخے کا ایک حصہ ذوالحجۃ 667ھ اور دوسرا 684ھ میں لکھا گیا۔ ❸

ابن باجۃ کی تالیفات میں سے تدبیر المتوحد، الاتصال اور الوداع کے متن ان کے ہسپانوی تراجم کے ساتھ پروفیسر اسین پلاکیوس (Asin Palacios) نے اور کتاب النفس کا متن مع انگریزی ترجمہ وتعلیقات صغیر حسن نے شائع کیا ہے۔ تدبیر کا ایک متن کتب خانہ خدیویۂ مصر میں موجود ہے۔ اسے ڈاکٹر عمر فرخ نے

❶ (بحوالۂ یاقوت: ارشاد الاریب، طبع مرجیوث، ۶: ۱۲۴ ابعد)

❷ (بوڈلین، پطوکک، شمارہ ۲۰۶)

❸ (اسکوریال، شمارہ ۲۱۶)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اپنی مختصر کتاب ابن باجۃ والفلسفۃ المغربیۃ کے آخر میں شائع کر دیا ہے، لیکن در حقیقت یہ ابن باجۃ کی اصل کتاب تدبیر کا اختصار ہے، جو غالباً کسی شخص نے اکثر جگہ عبارتوں کو حذف کر کے اور بعض جگہ عبارت تبدیل کر کے تیار کیا تھا۔ چودھویں صدی کے وسط میں تدبیر کا موسیٰ نے عبرانی میں ترجمہ کیا تھا، بعد میں اس کا لاطینی میں بھی ترجمہ ہوا۔ لاطینی میں اس کے بعض اور رسالے بھی محفوظ ہیں۔ تدبیر کا ایک اور ترجمہ عبرانی میں ہو رہا ہے۔ ابن باجۃ کی تالیفات کا ایک مجموعہ برلن کے کتب خانے میں بھی محفوظ تھا، لیکن گذشتہ عالمی جنگ میں ناپید ہو گیا۔

ابن باجۃ نے اپنی تصنیفات میں قرآن مجید اور احادیث نبویہ کی طرف برابر رجوع کیا ہے اور ان کی تعلیم کے مطابق مشاہدات پر توجہ دی ہے اور اس طرح یونانی طرزِ فکر کی بنیادوں پر اسلامی طرز فکر کی عمارت کھڑی کی ہے۔ اس نے بطلیموس کی مجسطی کی اصلاح بھی کی ہے۔ اس کے نظریوں نے ابن طفیل (م: 581ھ/1185ء) اور ابن بطروج کے آگے بڑھنے کے لیے راستے کو اور زیادہ صاف کر دیا اور علم ہیئت کی ترقی کی نئی راہیں وا کر دیں۔ اس کی تعلیقات نے ابن رشد کے لیے ارسطو کی کتابوں کی تشریح و تلخیص کا دروازہ کھول دیا۔ اسی طرح اس نے جو رسالہ علم ادویہ (Materia medica) پر لکھا تھا اس سے ابن البیطار (تیرھویں صدی) نے استفادہ کیا ہے۔ قرون وسطیٰ کے لاطینی مضمون پر بھی اس کے اثرات بہت گہرے ہیں۔ اس کے رسائل تدبیر المتوحد، الاتصال اور الوداع اس وقت یورپ میں دور دور تک پڑھے جاتے تھے۔

فلسفے میں ابن باجۃ کا زیادہ تر انحصار فارابی اور ارسطو پر ہے، لیکن وہ مجتہدانہ حیثیت بھی رکھتا ہے اور ان کی کئی باتوں پر اس نے اضافہ کیا ہے۔ اس نے مابعد الطبیعیات اور نفسیاتی فلسفے کی بنیاد طبیعیات (فزکس) پر رکھی ہے۔

ابن باجۃ نے نفسیات اور عقل پر بھی لطیف بحث کی ہے اور بتایا ہے کہ اخلاق اور عقل کا باہمی تعلق کیا ہے اور عقل اور قوت متخیلہ کے درمیان کیا واسطہ ہے؟ اس نے علم انسانی کی حقیقت اور اس کے مراتب پر بھی روشنی ڈالی ہے اور انسانی حافظے کو حس مشترک

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کی طرف منسوب کیا ہے اور بتایا ہے کہ کس طرح قوت متخیلہ آخر میں جا کر قوت ناقطہ اور تعلیم و تعلم کا ذریعہ بن جاتی ہے۔ فلسفۂ تدبیر منزل و سیاست پر بھی ابن باجۃ نے بحث کی تھی، لیکن وہ رسائل ضائع ہو چکے ہیں۔ ان کا حوالہ ابن باجۃ نے اپنی کتاب النفس اور کتاب تدبیر المتوحد میں دیا ہے۔ ہر چند کہ مونک (Munk) اور دبوئر (De Boer) کے بیانات پر اعتماد کرتے ہوئے عمر فرخ نے رینان کے اس بیان کو کہ ابن باجۃ تصوف کی طرف مائل تھا ''خطاء بے ریب'' لکھا ہے۔ ❶

مگر خود ابن باجۃ کی تحریروں میں اور خصوصاً تدبیر المتوحد کے اندر اس کے خلاف شہادتیں ملتی ہیں۔

ابن باجۃ نے منطق پر جو رسائل لکھے ہیں ان میں اس نے الفارابی کے متن پر تنقید کی ہے اور کتاب النفس میں وہ بدیہی طور پر ان اہم دلائل کے ساتھ اتفاق کرتا ہے جن پر ارسطو نے اپنی تصنیف De Anima کی دوسری اور تیسری کتاب میں بحث کی تھی۔ ابن باجۃ نے الکندی، الفارابی اور ابن سینا کی طرح، جو وحی و الہام اور عقل کے درمیان نہایت قریبی رشتہ ہونے کی تشریح عقلی دلائل کی بنیاد پر کرنے کے لیے کوشاں ہیں، اس مشکل کو اپنے اسلامی طریقے سے حل کرنے کی کوشش کی ہے اور اس سلسلے میں اس نے وحی والہام کے متعلق اپنا وہ نظریہ پیش کیا ہے جو رسالۃ الاتصال میں نیز ان رسائل میں جو اس نے اشتہاء اور عقل فعال پر لکھے ہیں موجود ہے۔

ابن باجۃ کا جوانی ہی میں انتقال ہو گیا۔ خیال کیا جاتا ہے کہ اسے ابن زُہر طبیب کے ایماء سے کھانے میں زہر دیا گیا تھا۔ اس کا سال وفات 525ھ/ 1131-113ء بھی بیان ہوا ہے، لیکن زیادہ صحیح 533ھ/1138ء ہے کیونکہ ابن باجۃ کی تصنیفات کے مجموعے پر، جو اس کے شاگرد ابن الامام نے خود ابن باجۃ کے سامنے پڑھا تھا، تاریخ کتابت 15 رمضان 530ھ مرقوم تھی۔ اس مخطوطے کی ایک نقل، جو 547ھ میں تیار ہوئی، اوکسفورڈ میں محفوظ ہے۔ ❷

❶ عمر فرخ: ابن باجۃ 43

❷ اردو دائرہ معارف اسلامیہ: ۱/ ۴۲۸

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ابوبکر محمد عبدالملک ابن طفیل القیسی

1100-01ء___1185ء

ابوبکر (وابوجعفر) محمد بن عبدالملک بن محمد بن محمد بن طفیل القیسی، اسلامی اندلس کا نامور فلسفی، جو ابوجعفر الاندلسی القرطبی الاشبیلی کے نام سے بھی مشہور ہے۔ مسیحی متکلمین نے اسے Ababacer لکھا ہے، جو ابوبکر کی بگڑی ہوئی شکل ہے۔ وہ قبیلۂ قیس میں سے تھا اور 494ھ/1100-1101ء کے لگ بھگ وادی آش میں پیدا ہوا، جو غرناطہ سے چالیس میل شمال مشرق میں واقع ہے۔ ابن طفیل کے خاندان اور تعلیم و تربیت کے بارے میں زیادہ معلومات حاصل نہیں۔ پھر یہ خیال بھی کہ وہ ابن باجہ کا شاگرد تھا غلط ہے، اس لیے کہ اپنی تصنیف حی ابن یقظان (مطبع الوطن، ۱۲۹۹ھ، مطبع وادی النیل، ۱۲۹۹، مصر ۱۳۲۲ھ، مطبع السعادۃ ۱۳۲۷ھ، الجزائر ۱۹۰۰ء اردو ترجمہ، ظفر احمد صدیقی، علی گڑھ ۱۹۵۵ء) میں اس نے ابن باجہ سے عدم واقفیت کا اظہار کیا ہے۔ ❶

وہ طبیب بھی تھا اور غرناطہ میں طبابت کرتا رہا۔ پھر وہ والی صوبہ کا کاتب بنا اور 549ھ/1154ء میں اس نے یہی خدمت والی طنجہ اور سبتہ کے یہاں سرانجام دی، آخر الامر الموحد تاجدار ابو یعقوب یوسف اول (558-580ھ/1163-1184ء) کا طبیب مقرر ہوا۔ یہی منصب ہے جو اس کے بعد اس کے دوست ابن رشد کو ملا۔ رہا یہ کہ وہ تاجدار مذکور کا وزیر بھی تھا تو یہ مشکوک ہے کیونکہ

❶ ترجمہ حی ابن یقظان از S. Ockley لنڈن ۱۷۰۸ء ص ۱۵

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس کا ذکر، جیسا کہ لیون گوتیے (L. Gauthier) نے بتایا ہے، صرف ایک کتاب میں آیا ہے، چنانچہ اس کے شاگرد البطر وجی نے بھی اسے محض قاضی ہی لکھا ہے (Ibn Thofail: L. Gauthier) بہرحال ابن طفیل کو ابو یعقوب کے یہاں بڑا اثر اور رسوخ حاصل تھا۔ اس نے متعدد علماء کو دربار میں بلایا۔ نوجوان ابن رشد بھی اسی کی وساطت سے ابو یعقوب کی خدمت میں پہنچا۔ عبدالواحد المراکشی نے اس ملاقات کا حال بھی بیان کیا ہے (المعجب، طبع ڈوزی Dozy، 174 ببعد، ترجمہ از فایناں Fagnan، 201 تا 210) جس میں امیر المؤمنین نے مسائل فلسفہ سے اپنی گہری واقفیت کا اظہار کیا۔ ابن طفیل ہی نے ابو یعقوب کی تحریک پر ابن رشد کو مشورہ دیا کہ ارسطو کی تصنیفات پر حواشی لکھے۔ جس کا ابن طفیل کے ایک شاگرد ابوبکر بندود نے ذکر بھی کیا ہے۔ وہ لکھتا ہے:

''امیر المؤمنین کو ابن طفیل سے بے حد لگاؤ تھا۔ مجھ سے بیان کیا گیا ہے کہ وہ محل شاہی میں امیر المؤمنین کے حضور کئی کئی دن اور راتیں گزارتا اور اس اثناء میں کبھی باہر نہ آتا۔''

578ھ/ 1182ء میں، جب ابن طفیل پیرانہ سالی میں قدم رکھ چکا تھا، ابن رشد کو اس کی جگہ طبیب مقرر کیا گیا، باین ہمہ ابن طفیل کو ابو یعقوب کی سرپرستی حاصل رہی۔ ابو یعقوب کا انتقال 580ھ/ 1184ء میں ہوا، مگر اس کے بیٹے اور جانشین ابو یوسف یعقوب نے بھی ابن طفیل سے دوستانہ مراسم قائم رکھے۔ ابن طفیل نے مراکش میں وفات پائی اور تاجدار مذکور اس کے جنازے میں شریک تھا۔

ابن طفیل کی ایک ہی تصنیف دستیاب ہوئی ہے اور وہ اس کا مشہور و معروف رسالہ حی بن یقظان ہے، جس میں گویا اس نے اپنے فلسفیانہ خیالات کی وضاحت ایک داستان کی شکل میں کر دی ہے۔ علاوہ ازیں دو رسالے طب میں بھی اس سے منسوب ہیں (تائید؟)۔

ابن رشد نے ارسطو کی شروح اور الکلیات کی تصنیف میں اس سے مشورہ لیا۔ کہا جاتا ہے اس نے ارسطو کی جویات (Meteorologica) کا ترجمہ بھی کیا۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بہرحال یہ ابن طفیل ہی تھا جس کے اشارے پر اس کے شاگرد البطر وجی نے ہم مرکز دائروں کے بطلیموسی نظریے کی ترمیم کی۔

حی بن یقظان کا، جسے لاطینی میں ایک ترجمے کے ساتھ سب سے پہلے Edward Pococke Jr. (1604-1691ء) نے شائع کیا، ایک ذیلی عنوان ''اسرار الحکمۃ المشرقیہ بھی ہے۔ الزرکلی نے سہواً انہیں دو الگ الگ تصنیفات قرار دیا ہے) ❶

اس فلسفیانہ رومان کا خیال ہے، جس میں اسلامی۔ اشراقی فلسفہ گویا اپنی انتہاء کو پہنچ گیا ہے، اگرچہ سب سے پہلے ابن طفیل کے دل میں پیدا نہیں ہوا، لیکن یہ ابن طفیل ہی کی ذہانت و فطانت ہے جس کی بدولت اس کا چرچا دنیا میں پھیلا۔ اس سے ابن طفیل کا مقصد ایک طرح سے یہ ظاہر کرنا تھا کہ فلسفے کا فہم و ادراک چونکہ عام لوگوں کے ذہن سے بالاتر ہے، لہٰذا اسے قصے کی شکل میں بیان کیا جائے۔ بالفاظ دیگر اس میں اس نظریے کی حمایت کی گئی ہے کہ حق دوگونہ ہے: ایک وہ جس کا تعلق حکمت سے ہے، دوسرا وہ جس کا تعلق شریعت سے ہے۔ حکمائے اسلام کا بالعموم یہی خیال تھا اور آگے چل کر ابن رشد نے اس پر بالخصوص زور دیا۔ ابن سینا اسی عنوان سے ایک فلسفیانہ رسالہ تصنیف کر چکا تھا، جس کی شہرت ازمنہ متوسطہ میں عام تھی اور جس کی ابن عذرا (Ebn Ezra) نے ایک نقل بھی تیار کی تھی، چنانچہ ابن طفیل نے یہ عنوان ابن سینا ہی سے مستعار لیا۔ اسی طرح آگے چل کر جامی نے انہیں ناموں کو استعمال کرتے ہوئے ایک مثنوی اور نصیرالدین طوسی نے ایک افسانہ تصنیف کیا۔ کہا جاتا ہے کہ حنین ابن اسحاق اسی قسم کے ایک رسالے کا ترجمہ یونانی سے عربی میں کر چکا تھا، لہٰذا ہوسکتا ہے کہ اس کا سراغ کہیں ہے لے نیسکی۔ نوفلاطونی روایات میں مل جائے۔ اس کے افسانوی قالب کی شکل بہرحال اسکندری ہے۔ بایں ہمہ ابن طفیل پہلا فلسفی ہے جس نے اس افسانے سے پورا پورا فائدہ اٹھایا اور اس کے فلسفیانہ پہلو کو درجۂ کمال تک پہنچا دیا۔ بقول سارٹن (Sarton) اس سلسلے میں کوئی مسئلہ ہے تو

❶ الاعلام: ۳: ۱۲۳۷

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یہ کہ بالآخر اس افسانے نے کیا شکل اختیار کی؟ اس اعتبار سے دیکھا جائے تو درحقیقت ابن طفیل ہی اس افسانے کا خالق ہے اور اسی نے دنیا کی توجہ اس طرف مبذول کی۔ ❶

حی بن یقظان کی زبان سرتاسر رمزی ہے اور اس سے مقصود ہے اس امر کی تشریح کہ فلسفے کی غرض و غایت ہے ذات الٰہی سے اتحاد و اتصال۔ انسان کے اندر یہ صلاحیت موجود ہے کہ صفائے خاطر اور نور بصیرت سے اس مقام پر جا پہنچے جہاں ادراک حق کے لیے قیاس و استدلال غیر ضروری ہو جاتا ہے۔ چنانچہ ابن طفیل نے اس سلسلے میں اپنے پیشروؤں ابن سینا، ابن باجہ اور غزالی کی بڑی تعریف کی ہے۔

قصہ یہ ہے کہ ایک بن باپ کا بچہ کسی سنسان جزیرے میں پیدا ہوتا ہے، یا قریب کے جزیرے کی کوئی شہزادی اسے سمندر میں ڈال دیتی ہے اور پانی کی ایک رو اسے اس جزیرے میں پہنچا دیتی ہے۔ یہاں اس موضوع پر کہ معتدل حرارت کے اثر سے زمین میں جو خمیر اٹھتا ہے اس سے خود بخود تولید ممکن ہے یا نہیں تفصیلی بحث کی گئی ہے۔ ایک ہرنی اس بچے کو دودھ پلاتی ہے اور اس کی پہلی معلّمہ بنتی ہے۔ جب بچہ کچھ بڑا ہو جاتا ہے تو وہ دیکھتا ہے کہ جن حیوانوں سے اسے سابقہ پڑتا ہے ان کے برخلاف وہ برہنہ بھی ہے اور غیر مسلح بھی۔ وہ پتوں سے اپنا تن ڈھانکتا ہے اور ایک چھڑی کو ہتھیار کے طور پر استعمال کرتا ہے اور اس طرح اسے اپنے ہاتھوں کی اہمیت کا علم ہوتا ہے۔ اب وہ شکاری بن جاتا ہے اور ہنرمندی میں مزید ترقی کر لیتا ہے، مثلاً پتوں کے ادھورے لباس کی جگہ اب وہ عقاب کی کھال سے کام لیتا ہے۔ اس دوران میں وہ ہرنی جس نے اسے پالا تھا بوڑھی اور بیمار ہو جاتی ہے، جس سے اسے بڑی تکلیف پہنچتی ہے اور وہ چاہتا ہے کہ اس خرابی کی علت معلوم کرے۔ اس مقصد کے پیش نظر وہ خود اپنی ذات کا مطالعہ شروع کر دیتا ہے اور یوں اسے اپنے حواس کا شعور ہوتا ہے۔ اس خیال سے کہ خرابی کی جڑ سینے میں ہے، وہ سوچتا ہے کہ کسی نوکدار پتھر سے اس ہرنی کے پہلو کو چیر دیا جائے۔ اس تجربے کی بدولت اسے

❶ (Introduction to the History of Science) ج ۲، باب ۱۸: ۳۴۵

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دل اور پھیپھڑوں سے واقفیت ہو جاتی ہے، مگر ساتھ ہی پہلی مرتبہ اس غیر مرئی شے (روح) کا تصور بھی اس کے ذہن میں پیدا ہو جاتا ہے جو نکل چکی ہے اور جس پر بہ نسبت جسم کے شخصیت کا زیادہ دارومدار ہے۔ جب ہرنی کی لاش سڑنے لگتی ہے تو وہ پہاڑی کوؤں سے اسے دفن کرنے کا طریقہ سیکھتا ہے۔

اتفاقاً اسے آگ کا پتا چل جاتا ہے اور وہ یوں کہ اس نے ٹہنیوں کی رگڑ سے سوکھے ہوئے درختوں میں آگ لگتے دیکھی تھی۔ وہ اسے اپنے مسکن میں لے آتا ہے اور برابر جلائے رکھتا ہے۔ اس دریافت کی بدولت اس مرئی آتش اور اس حیوانی حرارت پر غور کرنے کی تحریک ہوتی ہے جس کا مشاہدہ وہ زندہ جانوروں میں کرتا رہا ہے، لہٰذا وہ دوسرے حیوانوں کی چیر پھاڑ شروع کر دیتا ہے۔ اس کی ہنرمندی اب اور ترقی کرتی ہے۔ وہ کھالوں کا لباس پہننے لگتا ہے، اون اور سن کا تنا اور سوئیاں بنانا سیکھ لیتا ہے۔ ابابیلیں اسے سکھاتی ہیں کہ مکان کیسے بنایا جاتا ہے۔ وہ شکاری پرندوں کو سدھاتا ہے کہ اس کے لیے شکار کریں۔ اسے یہ بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ پرندوں کے انڈوں اور مواشی کے سینگوں وغیرہ کو کیسے کام میں لایا جا سکتا ہے۔ داستان کا یہ حصہ ایک ایسی پرلطف دائرۃ المعارف ہے جسے بڑے سلیقے سے ترتیب دیا گیا ہے۔

حی بن یقظان کا علم روز بروز بڑھتا چلا جاتا ہے اور بالآخر فلسفے کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ جب وہ تمام نباتات و معدنیات اور ان کے خواص کا اور حیوانات کے اعضائے جسمانی کے استعمال کا مطالعہ کر چکتا ہے تو انہیں اصناف و انواع میں مرتب کرتا ہے۔ چنانچہ اجسام کو وہ ثقیل اور خفیف میں تقسیم کرتا ہے، پھر روح حیات کی طرف لوٹ آتا ہے جس کا مقام اس نے قلب میں معین کر لیا تھا۔ وہ نفس حیوانیا ور نفس نباتی کا تصور قائم کرتا ہے اور اسے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اجسام ہی وہ صورتیں ہیں جن سے صفات کا ظہور ہوتا ہے۔ اب وہ ابتدائی جواہر کی جستجو کرتا اور عناصر اربعہ کو شناخت کر لیتا ہے۔ زمین کا معائنہ کرتے ہوئے مادے کا تصور اس کے ذہن میں ابھرتا ہے اور جملہ اجسام کا تصور یوں کرنے لگتا ہے کہ وہ مادے ہی کی

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مختلف مقداریں ہیں۔ یہ دیکھ کر کہ پانی بھاپ بن جاتا ہے، اس پر تحول صورت کا انکشاف ہو جاتا ہے اور وہ تسلیم کر لیتا ہے کہ ہر نئی تخلیق کے لیے کوئی ایسی علت ضروری ہے جو اسے پیدا کرے۔ اس طرح اس کے ذہن میں صور کے خالق مطلق کا خیال آ جاتا ہے، اس کی جستجو وہ پہلے مخلوقات میں کرتا ہے، لیکن چونکہ سب عناصر متغیر اور فانی ہیں، اس لیے وہ اپنی توجہ اجرام سماوی کی طرف منعطف کر دیتا ہے۔

حی کی عمر اب اٹھائیس برس کی ہوگئی ہے، یعنی وہ ہفت سالگی کے چوتھے دور کی تکمیل کر چکا ہے۔ اس کے بعد سے وہ آسمان کے بارے میں غور وفکر کرنے لگتا ہے۔ وہ پوچھتا ہے کیا یہ لامتناہی ہے، جو اس کے نزدیک ایک امر محال ہے۔ وہ اسے کروی تصور کرتا ہے اور دیکھتا ہے کہ چاند اور سیاروں کے لیے مخصوص افلاک کی ضرورت ہے اور عالم سماوی کا تصور کچھ اس طرح کرتا ہے جیسے وہ ایک طویل اور عریض حیوان ہو۔ وہ سمجھ جاتا ہے کہ خالق کل کے لیے ضروری ہے کہ وہ جسم نہ ہو، کیونکہ اگر وہ ابدی ہے تو عالم کی قوت محرکہ اس کے اندر نہیں آ سکتی۔ تصور باری تعالیٰ کے ارتقاء کو جاری رکھتے ہوئے وہ صفات خداوندی کو موجودات عالم کے مطالعے سے اخذ کرتا ہے۔ اسے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے ارادے میں مختار ہے، دانا ہے، عالم ہے، رحیم ہے وغیرہ وغیرہ۔ اب اس کی توجہ خود اپنے نفس کی طرف منعطف ہو جاتی ہے اور وہ فیصلہ کرتا ہے کہ نفس غیر فانی ہے اور اس سے نتیجہ نکالتا ہے کہ حصول سعادت کے لیے اسے چاہیے کہ اس ہستی کے بارے میں غور وفکر کرے جو کامل و مکمل ہے۔ یہ سعادت صفات سماویہ کے اقتداء سے حاصل ہوگئی، یعنی زاہدانہ اخلاق پر عامل ہونے سے۔ اس کے بعد حی اپنے آپ کو غور وفکر کے لیے وقف کر دیتا ہے، حتی کہ وہ اپنی عمر کے ساتویں دورۂ ہفت سالگی کو پورا کر لیتا ہے۔

پھر اَسال، جو الہامی مذہب کا سچا پیرو ہے، قریب کے ایک جزیرے سے یہاں آ پہنچتا ہے۔ جب یہ دونوں ایک دوسرے کی بات سمجھنے لگتے ہیں تو ثابت ہو جاتا ہے کہ درحقیقت الہامی مذہب بھی وہی فلسفیانہ عقیدہ ہے جس تک حی پہنچ چکا ہے۔ اَسال کو اس عقیدے میں، جس کی تعلیم یہ تارک دنیا اسے دیتا ہے، نہ صرف

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اپنے مذہب کی بلکہ تمام الہامی مذاہب کی ایک وجدانی تعبیر نظر آتی ہے۔

وہ حی کو ترغیب دیتا ہے کہ اس کے ساتھ قریب ہی کے ایک جزیرے میں چلے، جہاں سلامان نامی ایک بادشاہ حکمران ہے اور جس کا اَسال دوست اور وزیر ہے تاکہ حی اس کے سامنے اپنا فلسفہ پیش کرے۔ مگر یہ فلسفہ کسی کی سمجھ میں نہیں آتا اور کئی ناکام کوششوں کے بعد حی اور اَسال اسی غیر آباد جزیرے میں واپس چلے آتے ہیں تاکہ اپنی باقی زندگی خالص غور وفکر کے لیے وقف کر دیں۔ رہے اور لوگ سو بدستور خیالی صورتوں اور رموز وعلامات کے سہارے زندگی بسر کرتے رہتے ہیں۔

یوں گویا جہاں یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ حق کی حیثیت ''دوگونہ'' ہے وہاں یہ بھی کہ شریعت سے مقصود ہے عوام کو سہارا دینا۔ وہ گویا ایک اجتماعی ضرورت ہے۔ لیکن یوں شریعت سیاست اور فرد کی ذاتی سیرت واکردار کے بارے میں جو بڑے اہم سوالات پیدا ہو جاتے ہیں ان کا جواب دینے کی کوشش نہیں کی گئی، نہ ان نتائج سے اعتناء کیا گیا ہے جو اس موقف کو صحیح مان کر مترتب ہوتے ہیں، مثلاً یہ کہ حی اور اَسال تو پھر اس غیر آباد جزیرے کا رخ کرتے ہیں جہاں سے آئے تھے، مگر لوگوں کو اپنے حال پر چھوڑ دیتے ہیں کہ بدستور رموز وعلائم کے سہارے زندگی بسر کرتے رہیں۔ اندریں صورت حکمت اور شریعت میں عملاً جو خلا باقی رہ جاتی ہے اس کو پر کرنے کی کیا صورت ہے؟ اس کا کوئی جواب نہیں ملتا۔ بہرحال حی بن یقظان سے ابن طفیل اور اس کے ہم خیال فلاسفہ متصوفہ کا موقف تمام وکمال ہمارے سامنے آجاتا ہے۔ ❶

❶ اردو دائرہ معارف اسلامیہ: ۱/۸۳۔۵۸۲

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ابن النفیس علاؤالدین ابوالحسن علی بن ابی الحزم القرشی الدمشقی

(1210ء___1288ء)

علاؤالدین ابوالحسن علی بن ابی الحزم القرشی الدمشقی 1210ء میں دمشق میں پیدا ہوا۔ اس کے نام کے ساتھ القرشی غالباً اس کے مقام پیدائش کی وجہ قرش سے ہے، جو دریائے جیحوں کے پاس ایک قصبے کا نام ہے۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس کی اپنی ولادت یہاں نہ ہوئی ہو بلکہ اس کے خاندان کے لوگ وہاں سے ہجرت کر کے آئے ہوں۔ ابن النفیس کو بلاشبہ تیرھویں صدی عیسوی کا ایک ماہر اور حاذق طبیب کہا جا سکتا ہے۔ بدقسمتی سے اس کی تاریخ رحلت (1288ء بمقام قاہرہ) کے سوا اس کی زندگی کے بہت کم واقعات تحریری صورت میں ملتے ہیں۔ حتیٰ کہ ابن ابی اصیبعہ نے ابن النفیس کا ہمعصر ہونے کے باوجود اپنی تصنیف ''تاریخ الاطباء'' میں اس کا ذکر تک نہیں کیا۔

ابن النفیس نے طب کی ابتدائی تعلیم دمشق ہی میں ''البیمارستان النوری الکبیر'' میں حاصل کی۔ اس ہسپتال کی بنیاد بارہویں صدی عیسوی کے ترک حکمران نورالدین محمود ابن زنگی نے رکھی تھی۔ ابن النفیس کے اساتذہ میں مہذب الدین عبدالرحیم ابن علی الدخوار (متوفی: 1239ء) کا نام نمایاں ہے۔ جس نے دمشق میں دخواریہ طبی سکول کی بنیاد رکھی تھی اور وہ خود ابن التلمیذ کے مدرسے کا فارغ التحصیل تھا۔ یہ مدرسہ بغداد سے شام میں منتقل ہوا تھا اور بہت سے طالبعلم اس میں تعلیم و تربیت حاصل کر چکے تھے۔ ابن النفیس کے معروف ترین تلامذہ میں

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ابوالفرج ابن یعقوب ابن اسحاق المسیحی ابن القفف امین الدولہ الکرکی (1233ء-1286ء) شامل ہے، جو ابن ابی اصیبعہ کا شاگرد رہا تھا اور اس نے فن جراحی پر ایک کتاب بھی لکھی تھی۔

طب کے علاوہ ابن النفیس نے صرف ونحو، منطق اور اصول فقہ کا مطالعہ بھی کیا تھا اور اس طرح اسے فقہ شافعی میں ایک مستند عالم کا مرتبہ حاصل ہو گیا تھا۔ کچھ عرصے بعد وہ قاہرہ چلا گیا، جہاں اسے مملوک حکمران الظاہر بیبرس البندقداری کی طرف سے رئیس الاطباء مصر کا عہدہ دیا گیا۔ وہ اس حکمران کا ذاتی معالج بھی تھا۔ یہ عہدہ محض اعزازی حیثیت نہ رکھتا تھا، بلکہ اس سے ابن النفیس کو ایک طرح سے تمام اطباء پر انتظامی اختیارات حاصل ہو گئے تھے۔ غالباً وہاں اس نے ناصری شفا خانے میں کام کیا، جس کی بنیاد سلطان صلاح الدین ایوبی (دور حکومت 1169ء تا 1193ء) نے 1171ء میں رکھی تھی۔ اس شفاخانے میں ابن ابی اصیبعہ نے بھی مصر میں اپنے ایک سالہ (1236ء-1237ء) قیام کے دوران ماہر امراض چشم کے طور پر کام کیا تھا۔ عمر کے آخری حصے میں ابن النفیس نے اپنا گھر اور کتاب خانہ نئے تعمیر کردہ ''دارالشفاء'' کو بطور تحفہ دے دیا۔ یہ شفاخانہ مملوک حکمران المنصور سیف الدین قلاوون الالفی (دور حکومت 1279ء-1290ء) نے 1284ء میں تعمیر کرایا۔ اسی بادشاہ کے زمانے میں ابن النفیس نے تقریباً اسی برس کی عمر میں (17 دسمبر 1288ء) انتقال کیا۔

ابن النفیس قاہرہ کے مدرسے مسروریہ میں فقہ بھی پڑھاتا رہا۔ تاج الدین السبکی (متوفی: 1370ء) کی کتاب ''طبقات الشافعیۃ الکبریٰ'' میں اس کا نام فقہاء میں اس کی علمی برتری کا کھلا ثبوت ہے۔ وہ عربی زبان کا بھی ممتاز عالم تھا۔

ابن النفیس کے ادبی کارنامے بھی نہایت اہم ہیں۔ وہ ایک آزاد خیال اور وسیع النظر شرح نگار تھا۔ کہا جاتا ہے کہ اس کی تصانیف میں سے بیشتر طبغراد تھیں اور ان کی تیاری میں اس نے کتابوں سے کوئی مدد نہیں لی تھی۔ اس کی سب سے بڑی طبی تصنیف ''کتاب الشامل فی اصناع الطبیۃ'' ہے، جو اس نے اپنی عمر کے چوتھے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عشر ے میں لکھی۔ کہا جاتا ہے کہ اس کی 300 جلدیں تھیں، لیکن وہ صرف اسی جلدیں ہی ترتیب دے سکا۔ 1952ء تک یہ خیال کیا جاتا تھا کہ یہ ضخیم کتاب مکمل طور پر گم ہوگئی ہے، لیکن اسی سال کیمبرج یونیورسٹی کی لائبریری کے اسلامی مخطوطات کے شعبے میں اس کی ایک بڑی لیکن نامکمل جلد دستیاب ہوگئی۔ اس کے علاوہ بوڈلین لائبریری نے بھی بہت عرصہ پہلے اس کتاب کے چار قلمی نسخے جمع کیے تھے جن پر مصنف کا نام نہیں تھا۔ 1960ء میں لین میڈیکل لائبریری میں سٹیفورڈ یونیورسٹی میں مصنف کے اپنے ہاتھ سے لکھے ہوئے اس کتاب کے تین قلمی نسخے دریافت ہوئے۔ ان میں سے ایک پر خود مصنف کے قلم سے تینتیسویں جلد کے الفاظ لکھے ہوئے ہیں۔ دوسرے دو مخطوطات اس کتاب کی تینتالیسویں اور چونتالیسویں جلد خیال کیے جاتے ہیں۔ بعد والے قلمی نسخوں پر 641ھ (1242ء-1243ء) کا سنہ درج ہے۔ اسی کتاب کا ایک اور مخطوطہ المتحف العراقی (بغداد) میں موجود ہے۔ اس کے علاوہ الزرکلی نے بھی دمشق میں اس کے ایک ضخیم قلمی نسخے کی موجودگی کا حوالہ دیا ہے، لیکن اس نے یہ نہیں بتایا کہ یہ کون سی لائبریری میں ہے۔

''کتاب الشامل''، جو بدقسمتی سے ابھی تک چھپ نہیں سکی، میں ایک دلچسپ حصہ جراحت پر بھی ہے۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ابن النفیس ایک ماہر جراح بھی تھا۔ اس نے ہر جراحی عمل کے تین مرحلے بتائے ہیں۔ پہلا مرحلہ ''العطاء'' ہے، جس میں مریض کے مرض کی تشخیص ہوتی ہے۔ یہ مرحلہ انتہائی نازک اور اہم ہے، کیونکہ اس میں مریض اپنے جسم اور جان کے معاملے میں جراح پر اعتماد کرتا ہے۔ دوسرا مرحلہ ''العمل'' ہے، جس میں اصل کام یعنی تشخیص کے مطابق متعلقہ عضو کی چیر پھاڑ کی جاتی ہے۔ تیسرا اور آخری مرحلہ ''الحفظ'' ہے، جس کا مطلب تحفظ ہے یعنی چیر پھاڑ کے بعد زخم کے بھرنے تک اس کی حفاظت کرنا۔ یہ مرحلہ بھی نزاکت کے لحاظ سے پہلے دونوں مراحل سے کم نہیں۔ ابن النفیس نے ان تینوں مراحل پر تفصیلی بحث کی ہے۔ اس نے طبیب اور جراح کے فرائض بھی وضاحت سے بیان کیے ہیں۔ اس کے علاوہ مریض، جراح اور نرس کے درمیان

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تعلقات پر روشنی ڈالی ہے۔ اس نے یہ بھی بتایا ہے کہ اپنے فرائض کی انجام دہی کے دوران جراح کو اپنے آلات کس طرح استعمال کرنے چاہئیں اور یہ کہ آپریشن کے وقت مریض کو کیسے لٹایا یا بٹھایا جائے۔ مریض کی جسمانی حرکات پر تفصیلی بحث بھی اس کتاب کے مضمون میں شامل ہے۔ ابن النفیس اپنے نکات کی وضاحت کے لیے جراحی کے کچھ واقعات کی مثالیں بھی بیان کرتا ہے۔ ❶

❶ (معروف مسلم سائنسدان: ص ۸۸۹)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حبش الحاسب، احمد بن عبداللہ المروزی

(864ء___874ء)

حبش الحاسب، احمد بن عبداللہ المروزی ترکستان کے علاقے مرو (موجودہ: میری ترکمان، روس) میں پیدا ہوا اور 864ء میں (بعض کے نزدیک 874ء) انتقال کر گیا۔ اس کی زندگی اور خاندان کے بارے میں بہت کم معلوم ہے۔ وہ عباسی خلفاء المامون اور المعتصم کے عہد میں بغداد میں بطور ہیئت دان کام کرتا تھا لیکن شاید اس حلقے کا رکن نہیں تھا جس نے ممتحن مشاہدات کے فراہم کرنے میں مدد دی۔ بغداد میں اس کے کام کا زمانہ 825ء تا 835ء ہے۔ اس کا بیٹا ابوجعفر بن حبش بھی ایک ممتاز ہیئت دان اور آلات کا صناع تھا۔ تین سوانح نگاروں ابن الندیم، ابن القفطی اور حاجی خلیفہ نے حبش کے حسب ذیل تصانیف بھی منسوب کی ہیں:

1- سند ہند کی ترتیب نو۔
2- ممتحن زیج۔ یہ اس کی تمام کتابوں میں سب سے زیادہ معروف ہے۔ اس میں بطلیموس پر اعتماد کیا گیا ہے لیکن یہ اس کے اپنے مشاہدات پر مبنی ہے۔ ابن یونس اس کو ''القانون'' کا نام دیتا ہے۔
3- شاہ زیج۔ یہ تمام زیجوں میں مختصر ترین ہے۔
4- دمشقی زیج۔
5- مامونی زیج (یا عربی زیج) یہ زیج اور دمشقی زیج دونوں یزدگرد یا سلوکس کی تقدیم کے بجائے ہجری تقویم پر مبنی ہیں۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

6- رخامات اور پیمائشوں کے بارے میں رسالہ۔

7- فلکی کروں پر رسالہ۔

8- اصطرلاب پر رسالہ۔

9- عمودی اور ترچھے مستوی پر رسالہ۔

10- ستاروں کے فاصلہ پر رسالہ۔

چونکہ یہ تمام کتابیں اس وقت موجود نہیں، اس لیے یہ جاننا تقریباً ناممکن ہے کہ حبش نے خود کتنی زیجیں لکھیں اور ان کے عنوانات کیا ہیں۔ حبش کی جدولوں کے دو قلمی نسخے محفوظ ہیں۔ ایک استنبول میں اور دوسرا برلین میں۔ یہ اصل کتابوں کی نقول نہیں ہیں۔ نسخہ استنبول کی نقل پر تنقید ہوئی ہے جس میں یہ خدشہ ظاہر کیا گیا ہے کہ یہ حبش کی زیج کا نظر ثانی شدہ نسخہ ہے اور نظر ثانی کو شیار بن لبان نے کی تھی۔ کسی طرح تمہید اور بعض اقتباسات ہم تک اصل حالت میں بھی پہنچ گئے ہیں اور برلین کے نسخہ کی طرح اس نسخہ کو بھی حبش کے مآخذ کے طور پر استعمال کیا جا سکتا ہے۔ ❶

❶ (معروف مسلم سائنسدان: ص ۹۱)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ابوالولید محمد بن احمد بن محمد بن رشد

1126ء___1198ء

ابوالولید محمد بن احمد بن محمد بن رشد جو یورپ میں Averroes کے نام سے مشہور ہوا، اندلس کا سب سے بڑا عرب فلسفی۔ وہ 520ھ/1126ء میں قرطبہ میں پیدا ہوا۔ اس کا دادا قرطبہ کا قاضی رہا تھا اور اس نے بعض اہم تصانیف چھوڑی تھیں۔ اس کا باپ بھی قاضی کے عہدے پر فائز رہا۔ قانون اور طب کی تعلیم ابن رشد نے اپنے پیدائشی شہر میں حاصل کی، اس کے اساتذہ میں ایک ابوجعفر ہارون ساکن ترجالہ (Truxillo) بھی تھا۔ 548ھ/1153ء میں وہ مراکش میں مقیم تھا، جہاں وہ غالباً ابن طفیل کی ترغیب سے گیا تھا۔ ابن طفیل نے اسے ابو یعقوب یوسف الموحد سے متعارف بھی کر دیا تھا، جس نے اسے اپنی سرپرستی میں لے لیا۔ ابو یعقوب سے اس کی اس ملاقات کا حال محفوظ ہے (دیکھئے Hist. des Almohades des Marrakeche ترجمہ از فانیان Fagnan) خلیفہ نے اس سے عالم کے بارے میں فلاسفہ کا نظریہ دریافت کیا، یعنی یہ کہ آیا وہ ایک جوہر ازلی ہے یا اس کی کوئی ابتدا تھی۔ ابن رشد کہتا ہے کہ ''مجھ پر اس قدر ہیبت طاری ہوئی کہ میں اس کا کوئی جواب نہ دے سکا'' لیکن خلیفہ نے اس کے حجاب و تکلف کو دور کیا اور خود مختلف علماء کے نظریے بیان کر کے اس موضوع پر اتنی گہری واقفیت اور قابلیت سے بحث شروع کر دی جتنی کہ بادشاہوں کے ہاں شاذ و نادر ہی دیکھنے میں آتی ہے۔ اس کے بعد خلیفہ نے اسے بیش قیمت تحائف دے کر رخصت کر دیا۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یہ ابن طفیل ہی تھا جس نے ابن رشد کو ارسطو کی شرح لکھنے کا مشورہ بھی دیا۔ اس نے کہا کہا میر المومنین کئی بار اس امر پر اظہار افسوس کر چکے ہیں کہ یونانی فلاسفہ کی زبان، بلکہ ان ترجموں کی بھی جو عموماً دستیاب ہوتے ہیں، بڑی مغلق ہے لہٰذا اسے (یعنی ابن رشد کو) چاہیے کہ ان کی تشریح و توضیح کا کام اپنے ذمے لے۔

565ھ/1169ء میں ابن رشد اشبیلیہ کا قاضی مقرر ہوا اور اس کے دو سال بعد قرطبہ کا۔ اس عہدے کی گرانبار مصروفیتوں کے باوجود یہی زمانہ ہے جب ابن رشد نے اپنی اہم ترین تصانیف مرتب کیں۔ 578ھ/1182ء میں ابن یوسف نے اسے اپنے طبیب کی حیثیت سے مراکش بلایا تاکہ وہ ابن طفیل کی جگہ لے سکے، لیکن تھوڑا ہی عرصہ گزرا تھا کہ اسے قاضی القضاۃ کا عہدہ دے کر قرطبہ واپس بھیج دیا۔

یوسف کے جانشین یعقوب المنصور کے آغاز حکومت میں بھی ابن رشد کو بدستور خلیفہ کا قرب و التفات حاصل رہا، لیکن علمائے دین کی مخالفت کی بناء پر وہ معتوب ہو گیا اور اس پر مختلف ملحدانہ عقائد کا الزام لگا کر اسے قرطبہ کے نزدیک لوسینا (Lucena) میں جلاوطن کر دیا گیا۔ اسی زمانے (تقریباً 1195ء) میں خلیفہ نے حکم دیا کہ فلاسفہ کی سب کتابیں جلا دی جائیں، ماسوا ان کے جو طب، حساب اور ابتدائی علم ہیئت پر ہوں۔ ڈنکن میکڈانلڈ کا خیال ہے کہ اس موحد فرمانروا کے، جس نے اب تک مطالعات فلسفہ کی ہمت افزائی کی تھی، یہ احکام غالباً اندلس کے مسلمانوں کے پاس خاطر کی بناء پر صادر ہوئے تھے جو بربروں کی بہ نسبت بہت زیادہ راسخ العقیدہ تھے، چنانچہ یہ واقعہ ہے کہ اس وقت خلیفہ نے اندلس میں عیسائیوں کے خلاف جہاد شروع کر رکھا تھا۔ مراکش لوٹ کر اس نے (فلسفے کی تعلیم پر عائد کردہ) پابندی ہٹا دی اور ابن رشد کو اپنے دربار میں واپس بلا لیا۔ ❶

لیکن ابن رشد اپنے جاہ و ثروت کی بحالی سے زیادہ دیر تک لطف اندوز نہ

❶ Development of Muslim Theology (D. MacDonald)، نیویارک 1903ء، ص ۲۵۵)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہو سکا، کیونکہ مراکش واپس آ کر تھوڑی ہی مدت بعد 9 صفر 595ھ 10 دسمبر 1198ء کو اس کا انتقال ہو گیا اور شہر کے قریب ہی باب تغزوت کے باہر مدفون ہوا۔

ابن رشد کی اصل عربی تصانیف کا بڑا حصہ ضائع ہو چکا ہے اور عربی کی جو کتابیں بچ رہی ہیں وہ حسب ذیل ہیں:

(1) تہافت التہافت، جو الغزالی کی مشہور تصنیف تہافت الفلاسفۃ کے جواب میں لکھی گئی تھی۔

(2) میڈرڈ میں کتاب الجوامع، جس میں مختصر شرحیں ہیں۔

مذہب اور فلسفے کے باہمی روابط کے بارے میں دو دلچسپ رسالے (جن پر Leon Gauthier اور Miguel Asin نے بحث کی ہے)۔ ان میں سے ایک رسالے کا عنوان کتاب فصل المقال ہے، جس میں مذہب اور فلسفے کی تطبیق کی پر زور حمایت کی گئی ہے اور دوسرا کشف المناہج وغیرہ کے نام سے مشہور ہے۔

ابن رشد کی جو کتابیں اصل عربی یا تراجم کی صورت میں موجود ہیں ان کی تفصیل کے لیے دیکھئے، محمد یونس: ابن رشد، ص 117 تا 136 ان کتابوں کے مخطوطے زیادہ تر اسکوریال میں محفوظ ہیں، جن کی تعداد اکتالیس ہے۔ دیگر کتب خانوں میں جو مخطوطے محفوظ ہیں انہیں ملا کر اس وقت دنیا میں ابن رشد کی باون تالیفات اصل یا تراجم کی شکل میں موجود ہیں۔ ابن رشد کے عبرانی تراجم کی اشاعت کا یہ عالم ہے کہ بائبل کے بعد انہیں کا درجہ ہے۔

ابن رشد کے فلسفے کو ایک نیا فلسفہ نہیں مانا جا سکتا بلکہ یہ مسلمان فلاسفہ کے یونان پرست دبستان (دیکھئے مادۂ فیلسوف) کا وہی فلسفہ ہے جس کی تعلیم مشرق میں الکندی، الفارابی اور ابن سینا اور مغرب میں ابن باجہ اس سے پہلے دے چکے تھے، تاہم بعض مسائل میں وہ اپنے ان جلیل القدر پیش روؤں کے نظریات سے اختلاف کرتا ہے لیکن یہ مسائل محض ثانوی حیثیت کے ہیں اور مجموعی اعتبار سے اس کا فلسفہ اسی قدیم روش کا پابند ہے۔

ابن رشد کی شہرت کا انحصار زیادہ تر اس کے ناقدانہ تجزیے اور شرح نویسی

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے فطری ملکے پر ہے۔ یہ ایسی صفتیں ہیں جن کی صحیح قدر و قیمت کا اندازہ ہم آج کل نہیں کر سکتے، کیونکہ ہمارے اور اس زمانے کے آہنگ فکر، طریق کار اور وسائل علمی میں بہت فرق ہے، لیکن اسی لیے قرون وسطیٰ کے علماء کے نزدیک، بالخصوص یہودی اور عیسائی حلقوں میں، انہیں بہت قدر و وقت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا، یہاں تک کہ اس کی شرحوں سے علمائے دین میں بھی تحسین و آفرین کی لہر دوڑ گئی، اس کے باوجود کہ وہ اس کے نظام فلسفہ کو مذہب کے لیے خطرناک سمجھتے تھے۔

مشرق کے اسلامی ملکوں میں علمائے دین پہلے ہی سے دبستان فلسفہ پر حملے کر چکے تھے، چنانچہ الغزالی کی تہافت، جو زیادہ تر الفارابی اور ابن سینا کے خلاف لکھی گئی تھی، مشرق میں اس باہمی کشمکش پر سب سے پہلے اندلس کے مسلم علمائے دین نے حملہ کیا اور جب بعد ازآں وہ ابن رشد کی شرحوں سے ترجموں کے ذریعے متعارف ہوئے تو مسیحی علمائے دین نے بھی، چنانچہ تیرھویں صدی میں پیرس، اوکسفورڈ اور کنٹربری کے لاٹ پادریوں (اساقفہ) نے انہیں وجوہ کی بناء پر ابن رشد کی مذمت کی جن کے باعث وہ اندلس کے راسخ العقیدہ مسلمانوں کا ہدف ملامت بن چکا تھا۔

فلسفۂ ابن رشد کے وہ خاص معتقدات جن کی بناء پر اسے ملحد ٹھہرایا گیا ابدیت عالم، اللہ کے علم کی ماہیت، اس کے علم غیب، نفس اور عقل کی کلیت اور معاد سے متعلق ہیں۔ ان معتقدات میں ابن رشد کو بآسانی ملحد قرار دیا جا سکتا ہے، کیونکہ وہ مسلمہ عقائد کا منکر تو نہیں تھا لیکن انہیں اس طرح پیش کرتا تھا کہ فلسفے سے ان کی تطبیق ہو جائے۔

مثال کے طور پر ابدیت عالم کے مسئلے میں وہ خلق کائنات سے انکار تو نہیں کرتا لیکن اس کی تشریح دینی نقطۂ نظر سے الگ اور مختلف کرتا ہے۔ اس کے نزدیک کوئی چیز عدم سے ایک ہی بار ہمیشہ کے لیے پیدا نہیں ہوتی، بلکہ اس کی لحہ بہ لحہ تجدید ہوتی رہتی ہے، جس کی بدولت دنیا برقرار ہے اور ساتھ ساتھ بدلتی رہتی ہے، دوسرے لفظوں میں ایک تخلیقی قوت اس دنیا میں لگاتار کام کر رہی ہے جو اسے قائم

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رکھتی اور حرکت دیتی ہے۔ اشکال فلکی (صور الکواکب Constellations) بالخصوص حرکت ہی سے قائم ہیں اور اس حرکت کا سرچشمہ وہ قوت محرکہ ہے جو روز ازل سے ان پر عمل کر رہی ہے۔ عالم ابدی ہے لیکن اس کی یہ ابدیت ایک تخلیقی اور محرک علت کا نتیجہ ہے، برخلاف اس کے اللہ بغیر کسی علت کے ابدی ہے۔

علم الٰہی کے باب میں ابن رشد فلاسفہ کے اسی اصول کا اعادہ کرتا ہے کہ ''اصل اول کو محض اپنی ہستی کا ادارک ہوتا ہے۔'' فلسفیوں کے نزدیک یہ ابتدائی مفروضہ لازمی ہے تاکہ اصل اول اپنی وحدت کو برقرار رکھ سکے، کیونکہ اگر اسے کثرت وجود کا علم ہو تو وہ خود بھی کثیر ہو جائے گا۔ اس اصل کی بالکل صحیح تعبیر کے مطابق موجود اول کے لیے اپنی ہی ذات کے اندر رہنا ضروری ہے اور اسے صرف اپنے ہی وجود کا علم ہونا چاہیے۔ اس طرح علم غیب کا کوئی امکان باقی نہیں رہتا۔ علمائے دین کی یہ کوشش تھی کہ فلاسفہ کو اس نتیجے پر پہنچنے کے لیے مجبور کیا جائے (تاکہ انہیں منکر غیب، لہٰذا ملحد، قرار دیا جا سکے)۔

لیکن ابن رشد کے نظام میں زیادہ لچک ہے۔ وہ تسلیم کرتا ہے کہ اللہ خود اپنی ذات میں تمام اشیائے عالم کا علم رکھتا ہے، لیکن اس کے علم کو نہ تو کلی کہا جا سکتا ہے اور نہ جزئی۔ لہٰذا وہ علم انسانی کے مانند نہیں بلکہ ایک برتر نوعیت کا علم ہے، جس کا ہم کوئی تصور نہیں کر سکتے اللہ کا علم علم انسانی کے مانند نہیں ہو سکتا، کیونکہ اگر ایسا ہو تو اس کے علم میں اور لوگ بھی شریک ہو جائیں گے اور پھر خدا ایک خدا نہیں رہے گا۔ مزید برآں خدا کا علم انسان کے علم کی طرح اشیاء سے ماخوذ یا ان کا پیدا کردہ نہیں ہے۔ اس کے برعکس یہ جملہ اشیاء کی علت ہے، لہٰذا (بعض) علمائے دین کا یہ الزام کہ ابن رشد کا فلسفہ علم غیب کا منکر ہے، صحیح نہیں ہے۔

جہاں تک روح انسانی کے بارے میں ابن رشد کی تعلیم کا تعلق ہے اس کی اس بناء پر مذمت کی گئی ہے کہ اس کے نزدیک ہر انفرادی روح موت کے بعد روح کلی میں چلی جاتی ہے۔ لہٰذا وہ روح انسانی کی بقاء بالذات کا منکر ہے، مگر یہ خیال درست نہیں کیونکہ دوسرے فلاسفہ کی طرح ابن رشد کے نظام میں بھی روح اور عقل

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے درمیان امتیاز کرنا ضروری ہے۔ عقل بالکل مجرد اور غیر مادی ہے اور اس کا وجود درحقیقت اسی وقت ہوتا ہے جب اس کا ربط عقل کل اور عقل فعال سے قائم ہو جائے۔ وہ چیز جسے ہم فرد کی عقل کہتے ہیں دراصل ان معانی کے ادراک کی قوت کا نام ہے جن کا سرچشمہ عقل فعال ہے۔ اس قوت کو عقل انفعالی کہا جاتا ہے اور یہ دائم بالذات نہیں۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے آپ کو پہچانے اور ''عقل اکتسابی'' (Intellectus adaptus) بن جائے۔ تب جا کر وہ عقل فعال سے وابستہ ہو جاتی ہے، جو ابدی معانی کا گہوارہ ہے اور اس میں ضم ہو کر یہ قوت (عقل) خود بھی ابدی ہو جاتی ہے۔

نفس یا روح کا معاملہ اس سے مختلف ہے۔ فلاسفہ کے نزدیک یہ وہ قوت محرکہ ہے جو اشیائے نامیہ کی زندگی اور بالیدگی پر اثر انداز ہوتی ہے۔ گویا وہ ایک ایسی توانائی ہے جس سے مادہ زندگی حاصل کرتا ہے اور جو عقل کی طرح صفات مادہ سے بالکل مبرا نہیں، بلکہ اس کے برعکس مادے سے اس کا بہت قریبی تعلق ہے، بلکہ ممکن ہے کہ یہ نیم مادی یا مادے کی انتہائی لطیف شکل پر مشتمل ہو۔ ارواح اجسام کی صورت رکھتی ہیں اور اس لیے جسم کی قید سے آزاد ہیں۔ وہ جسم کی موت پر بھی موجود رہتی ہیں اور اپنی انفرادیت برقرار رکھ سکتی ہیں، لیکن ابن رشد کی رائے میں یہ آخری چیز محض امکانی ہے۔ وہ یہ تسلیم نہیں کرتا کہ جس روح کا تخیل یہ ہو اس کی بقائے دوام کا کوئی اطمینان بخش ثبوت خالص فلسفیانہ ذرائع سے مل سکتا ہے۔ لہٰذا اس سوال کو حل کرنے کا کام وحی پر چھوڑ دیا گیا ہے۔ ❶

بعض علماء نے ابن رشد پر یہ بھی الزام لگایا ہے کہ اسے حشر اجساد سے انکار تھا، لیکن یہاں بھی اس کی تعلیم میں اس عقیدے کا انکار نہیں بلکہ اس کی توضیح ہے۔ اس کے نزدیک ہمارا جو جسم عالم عاقبت میں ہوگا وہ جسم نہیں ہوگا جو اس دنیا میں ہے، کیونکہ جو شے فنا ہو گئی پھر جوں کی توں پیدا نہیں ہو سکتی، بلکہ زیادہ سے زیادہ کسی اور مماثل صورت میں دوبارہ ظہور کر سکتی ہے۔ مزید برآں ابن رشد یہ بھی کہتا

❶ دیکھیے تہافت التہافت: ص ۱۳۷

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے کہ ہماری آئندہ زندگی حیات ارضی کی بہ نسبت کہیں زیادہ برتر قسم کی ہوگی، لہٰذا اس دنیا کے مقابلے میں وہاں کے اجسام بھی زیادہ کامل اور مکمل ہوں گے۔ باقی وہ ان فرضی قصوں اور روایتوں کو غیر مستحسن سمجھتا ہے جو آخرت کی زندگی کے بارے میں مشہور ہیں۔

چونکہ اس فلسفی کو اپنے پیش روؤں کی بہ نسبت راسخ العقیدہ مذہبی لوگوں کا کہیں زیادہ ہدف ملامت بننا پڑا، لہٰذا اس نے فلسفیانہ تحقیق اور مذہب کے باہمی تعلقات پر زیادہ معین طریقے پر اظہار خیال کیا ہے۔ اس موضوع پر اس نے اپنے نظریات مذکورہ بالا کتابوں یعنی فصل المقال اور کشف المناہج میں پیش کیے ہیں۔ اس نے پہلا اصول یہ قائم کیا کہ فلسفے کو لازمی طور پر مذہب سے اتفاق کرنا چاہیے اور یہی پورے عربی علم کلام کا مسلمہ اصول ہے۔ ایک طرح سے حق دو قسم کے ہیں یا یوں کہیے کہ وحی کی دو قسمیں ہیں، یعنی حق فیلسوفی اور حق مذہبی اور ان دونوں کا باہم متفق ہونا ضروری ہے۔ فلاسفہ بھی اپنی نوعیت کے انبیاء ہیں، جن کا خطاب بالخصوص علماء سے ہوتا ہے۔ ممکن ہے کہ ان کی تعلیم صحیح معنی میں انبیاء کی تعلیم کے خلاف نہ ہو، جو بالخصوص عوام سے مخاطب ہوتے ہیں، بلکہ فلسفے کے لیے لازم ہے کہ اسی حق کو ایک بلند تر اور نسبۃً کم مادی شکل میں پیش کرے۔

مذہب میں لفظی مفہوم اور تشریح کے درمیان تمیز کرنا ضروری ہے۔ مثال کے طور پر اگر قرآن پاک میں کوئی ایسی عبارت ہے تو ہمیں لامحالہ یقین کر لینا چاہیے کہ ظاہری معنی کے بجائے اس کا کوئی اور مفہوم ہے اور اس حقیقی مفہوم کو تلاش کرنا چاہیے۔ عام لوگوں کا فرض ہے کہ لفظی مفہوم کے پابند رہیں۔ اس کی صحیح تعبیر کا معلوم کرنا صرف علماء کا کام ہے۔

عوام الناس کو چاہیے کہ قصص اور تمثیلات کا وہی مفہوم لیں جس طرح انہیں وحی نے پیش کیا ہے لیکن فلسفی کو یہ حق پہنچتا ہے کہ ان کے اندر جو زیادہ گہرے اور پاکیزہ تر معانی مضمر ہیں انہیں تلاش کرے اور آخر میں اہل علم ہمیشہ اس بات کا خیال رکھیں کہ انہوں نے جو نتائج اخذ کیے ہیں انہیں عوام تک نہ پہنچائیں۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ابن رشد نے اس امر کی بھی وضاحت کر دی ہے کہ مذہب کی تعلیم کو ہمیں کس طرح سامع کے معیار ذہنی کے مطابق رکھنا چاہیے۔ ذہنی صلاحیتوں کا اعتبار سے وہ انسانوں کو تین جماعتوں میں تقسیم کرتا ہے۔ پہلی اور سب سے بڑی جماعت ان لوگوں کی ہے جو تبلیغ کے نتیجے میں کلام ربانی پر ایمان لاتے ہیں۔ اور تقریباً محض روز خطابت ہی سے متاثر ہو سکتے ہیں۔ دوسری جماعت میں وہ لوگ شامل ہیں جن کے عقائد کا دارومدار استدلال پر ہے، لیکن محض ایسے استدلال پر جو بدیہی مقامات پر مبنی ہوتا ہے، جنہیں بلا جرح وتنقید فرض کر لیا جاتا ہے۔ تیسری اور سب سے زیادہ قلیل التعداد جماعت ان لوگوں کی ہے جن کے عقائد کی اساس وہ دلائل ہیں جو بجائے خود ثابت شدہ مقامات کے ایک سلسلے پر قائم ہیں۔ مذہبی تعلیم کو سامع کی ذہنی صلاحیتوں کے مطابق ربط دینے کا یہ طریق ابن رشد کی گہری نفسیاتی بصیرت کا ثبوت ہے، البتہ اس میں یہ اندیشہ ہے کہ وہ شاید مخلصانہ نہ معلوم ہو اور اس لیے یہ ایک قدرتی بات تھی کہ اس سے پیشہ ور علمائے دین میں بے اعتمادی پیدا ہو جائے۔

آخر میں ہم یہ نہیں سمجھتے کہ ابن رشد ایک ایسا کافر یا ملحد تھا جو راسخ العقیدہ مسلمانوں کے حملوں سے بچنے کے لیے کم وبیش ہنرمندانہ تاویلوں سے کام لے رہا ہو، بلکہ ہمارا میلان خیال اس طرف ہے کہ مشرق کے متعدد ارباب علم کے رویے کی عام مطابقت کرتے ہوئے اس نے یہ روش اختیار کر رکھی تھی، ابن رشد بھی تطبیق (Syncretic) عقیدہ رکھتا تھا۔ وہ اس بات پر سچے دل سے یقین رکھتا تھا کہ ایک ہی حقیقت کو مختلف صورتوں میں پیش کیا جا سکتا ہے اور اپنی بے نظیر فلسفیانہ سوچ سمجھ کی بدولت وہ ایسے معتقدات کو ایک دوسرے کو مطابق بنانے میں کامیاب ہو گیا جو ان انسانوں کو جن کے ذہن میں نسبۃً کم لچک پائی جاتی ہے صریحاً متضاد نظر آتے ہیں۔ ❶

❶ اردو دائرہ معارف اسلامیہ: ۱/ ۲۸۔۲۷۔۲۶ ھ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ابن حوقل ابن القاسم محمد ابن حوقل

(973ء میں بقید حیات)

ابوالقاسم محمد ابن حوقل کے حالات زندگی تفصیل سے نہیں ملتے۔ بعض سوانحی کتب کے اتنا معلوم ہوتا ہے کہ وہ ترکی کے موجودہ شہر نصیبین میں پیدا ہوا اس کی زندگی کا بیشتر حصہ دسویں صدی کے نصف دوم میں گزرا۔ وہ اپنے دور میں ایک جغرافیہ دان اور سیاح کی حیثیت سے مشہور ہوا۔

ابن حوقل سوداگر تھا اور مختلف چیزوں کی خرید و فروخت کے لیے شہر شہر نگر نگر گھومتا پھرتا رہتا تھا۔ بعض مؤرخین کے خیال میں وہ فاطمیوں کا مبلغ دین تھا اور تبلیغ کے لیے دور دراز کے علاقوں کا سفر کرتا رہتا تھا۔ اس نے 943ء میں سیاحت کا باقاعدہ آغاز کیا اور سب سے پہلے اسلامی دنیا کا تفصیلی دورہ کیا۔ 947ء اور 951ء کے درمیانی عرصے میں وہ شمالی افریقی ممالک میں تھا۔ اس دوران میں اس نے سپین اور صحارہ کے جنوبی حصے کا دورہ کیا۔ سپین میں اس کی ملاقات ایک یہودی طبیب حسدائی ابن شپروت سے ہوئی، جو عبدالرحمٰن سوم کا وزیر تھا۔ اس نے ابن حوقل کو شمالی یورپ کے ملکوں کے متعلق معلومات فراہم کیں اور اس کے عوض ابن حوقل سے مشرق میں بسنے والے یہودیوں اور خزروں کے بارے میں معلومات حاصل کیں۔ 955ء میں اس نے مصر، آرمینیا اور آذر بائیجان اور پھر 961ء۔ 969ء کی درمیانی مدت میں عراق اور ایران کا سفر کیا۔ اس کے بعد اس نے ماوراء النہر اور خوارزم کی سیاحت کی۔ 973ء میں وہ جزیرۂ سسلی میں تھا۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ابن حوقل نے جغرافیے پر ایک کتاب لکھی ہے۔ جس کا عنوان ''کتاب المالک والمسالک'' ہے۔ اس کو ''کتاب صورۃ الارض'' کے نام سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔ اس کتاب کی شکل وصورت ''اسلامی اٹلس'' جیسی ہے اور یہ اس کے پیشرو اصطخری کی کتاب (تقریباً 930ء) سے بہت مشابہ ہے۔ غالباً اسی تصنیف نے ابن حوقل کو اس طرف مائل کیا کہ وہ اپنے آپ کو جغرافیائی تحقیقات کے لیے وقف کرے۔ اصل میں اس کا ارادہ محض اصطخری کی تصنیف کی نظر ثانی تھا۔ ''کتاب المسالک'' کے تین نظر ثانی شدہ ایڈیشن ملتے ہیں۔ پہلا 967ء میں حمدانی حکمران سیف الدولہ سے منسوب کیا گیا۔ یہ 967ء سے پہلے تیار ہوا کیونکہ یہ حکمران اسی سال فوت ہوا۔ دوسرا تقریباً 977ء میں تیار ہوا جس میں وہ حمدانیوں پر تنقید کرتا ہے اور تیسرا مکمل اور جامع نسخہ 988ء کے لگ بھگ تیار ہوا۔

اس کتاب کا خصوصاً بیانیہ حصہ پہلے کے مصنفین سے بہت بہتر ہے۔ ابن حوقل نے سوڈان، ترکی، نوبیہ اور جنوبی اٹلی کے غیر مسلم علاقوں کے متعلق تفصیلات بھی شامل کی ہیں۔ واقعات کے تسلسل اور ان کی تاریخوں کے ضمن میں اس نے بعض غلطیوں کی درستی بھی کی ہے اور خام اشیاء کے معاشی مفاد کے متعلق بہت سی معلومات فراہم کی ہیں۔ یہ ایک ایسا موضوع ہے جو اس نوعیت کی سابقہ تصانیف میں نہیں ملتا۔ تاہم کتاب میں شامل کردہ نقشوں کو ترتیب دیتے وقت ابن حوقل نے اس بات کو ملحوظ نہیں رکھا کہ ان کی مدد سے قاری کتاب میں مذکور علاقوں اور سمندروں کے محل وقوع کی صحیح نشاندہی کس طرح سے کر سکے گا۔ ❶

❶ (معروف مسلم سائنسدان: ص ۳۹۱)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عباس ابن فرناس

(م:887ء)

عباس ابن فرناس کے نام کو بعض اوقات ایک دوسرے ہسپانوی شاعر عباس بن ناصح (متوفی: 844ء) کے نام کے ساتھ خلط ملط کر دیا جاتا ہے کیونکہ اس کا تعلق بھی ہسپانیہ سے تھا۔ وہ رندہ (Ronda) کے علاقے میں پیدا ہوا۔ وہ نسلاً بربر تھا۔ اس کا انتقال 887ء میں ہوا۔

ابن فرناس بڑے اختراعی ذہن کا مالک تھا اور اس کی جستجو کا دائرہ شاعری اور انسانیات سے لے کر فلکیات اور ٹیکنالوجی تک پھیلا ہوا ہے۔ اس کی شخصیت باکمال تھی۔ وہ اپنی قصیدہ گوئی اور علم وفضل کی بدولت متواتر تین بادشاہوں یعنی الحکم اول، عبدالرحمٰن ثانی اور محمد اول کے دربار سے وابستہ رہا۔

ابن فرناس نے اپنی اختراعات اور ایجادات کی بدولت بہت شہرت حاصل کی اہل مغرب کو مشرقی علوم سے روشناس کرانے میں بھی اس کا بڑا ہاتھ ہے۔ وہ پورے ہسپانیہ میں واحد شخص تھا، جو الخلیل ابن احمد کی علم عروض سے متعلقہ تصنیف کو سمجھ سکتا تھا اور سمجھا سکتا تھا۔

ابن فرناس نے عراق کا سفر بھی کیا اور وہاں کے علمی و ادبی حلقوں اور اداروں کو بغور دیکھا۔ واپسی پر وہ اپنے ساتھ فلکیات کی مشہور کتاب ''سہند ہند'' بھی ہسپانیہ لے آیا، جس نے یورپی فلکیات پر گراں قدر اثرات مرتب کیے اور اس کی مزید نشوونما میں اہم کردار ادا کیا۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ابن فرناس کے متعلق ایک دلچسپ بات یہ ہے کہ اس نے اڑنے کی کوشش بھی کی۔ اس نے اڑنے کے لیے ایک غلاف تیار کیا جس میں پر اور متحرک بازو لگے ہوئے تھے۔ اس نے اپنے تیار کردہ غلاف کی مدد سے خود اڑنے کا خطرہ مول لیا اور ایک غلاف اور مصنوعی پروں کے ساتھ ایک بلند چٹان سے کود پڑا، لیکن اس کی پرواز زیادہ کامیاب ثابت نہ ہو سکی۔ نیچے اترتے ہوئے وہ زخمی ہو گیا اور کئی دن تک مرہم پٹی کراتا رہا۔ اس کے مخالفین پرواز میں اس ناکامی کی وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ اس نے پرندوں کی اڑان کا مطالعہ کرتے وقت اس چیز پر غور نہیں کیا کہ وہ نیچے آتے ہوئے اپنی دم کو کیسے استعمال کرتے ہیں۔ ابن فرناس کی اس پرواز کا ذکر عربی اور ہسپانوی تحریروں میں اکثر ملتا ہے۔

ابن فرناس نے اپنے گھر میں ایک سیارگاہ بھی بنائی تھی، جس میں چاند ستاروں اور بجلی کی گرج چمک کا ماحول مصنوعی طور پر پیدا کیا گیا تھا۔ غالباً اسی وجہ سے بعض تنگ نظر عناصر کی جانب سے اس پر کفر کی تہمت بھی لگائی جاتی رہی، لیکن وہ ابن فرناس کی مقبولیت کو گھٹانے میں کامیاب نہ ہو سکے۔

ابن فرناس نے ایک خاص قسم کا گھڑیال بنایا اور اسفیر یعنی کرۂ فلکی بھی ایجاد کیا۔ بلور کوہی (Rock Crystal) کی دریافت بھی اسی سے منسوب کی جاتی ہے۔ جن کتابوں میں اس کی اختراعات کا ذکر کیا گیا تھا، وہ اب مکمل حالت میں دستیاب نہیں۔ لہٰذا اس بارے میں فیصلہ کرنا قدرے مشکل ہے کہ بلور کی دریافت میں اس کا کیا حصہ تھا۔ تاہم بلور کی دریافت بن فرناس سے منسوب کرنے والوں میں E. Levi Proven.cal بھی شامل ہے، جسے ابن حیان کی تصنیف ''المقتبس'' تک رسائی حاصل تھی۔ ایک مآخذ کے مطابق ''المقتبس'' کے مصنف نے ابن فرناس کے کئی تذکرے اور اشعار شامل تحریر کیے۔ اسی مآخذ کے مطابق اس گمشدہ کتاب یعنی ''المقتبس'' کا ایک مخطوطہ حال ہی میں دریافت ہوا ہے۔ مشہور مؤرخین ابن سعید اور مقری کے مطابق ''وہ اندلس میں بلور کو ایجاد (دریافت) کرنے والا پہلا شخص تھا۔''

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس بیان سے کئی مطلب اخذ کیے جا سکتے ہیں لیکن اتنا ضرور ہے کہ بلور کاٹنے کا طریقہ ابن فرناس ہی نے متعارف کرایا۔ اس سے یقیناً بلاد شرقیہ (خصوصاً مصر) کو کوارٹز کی برآمد پر بہت اثر پڑا ہوگا، کیونکہ اب یہ حقیقت سامنے آ گئی تھی کہ بلور کوہ میں کاٹ کر استعمال میں لایا سکتا تھا، جہاں سے یہ نکالا جاتا تھا۔ اس اختراع کے باوجود شیشہ سازی کی صنعت پر کوئی اثر نہ پڑا، جو سنہ عیسوی سے کم از کم تین سو سال پہلے شروع ہوئی تھی۔ ❶

❶ (معروف مسلم سائنسدان: ص ۱۵۱)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جابر بن حیان بن عبداللہ کوفی المعروف الصوفی

721ھ ـــــ 806ء

جوطوس اور بعض کے نزدیک خراسان میں پیدا ہوا۔ اولین دور کے عربی علم الکیمیا کے ممتاز نمائندوں میں سے تھا۔ مذکورۂ بالا سلسلۂ نسب الفہرست سے ماخوذ ہے جس کے صفحۂ 345 پر جابر کے قدیم ترین سوانح حیات محفوظ ہیں، لیکن الفہرست میں اس کی مشہور کنیت ابو موسیٰ نہیں دی گئی بلکہ ابو عبداللہ مذکور ہے، حالانکہ ابن الندیم نے خود لکھا ہے کہ الرازی (م 313ھ/ یا 323ھ/ 935ء) اس کا حوالہ ہمیشہ ان الفاظ میں دیا کرتا تھا کہ ''ہمارے استاد ابو موسیٰ جابر بن حیان کا قول ہے.....'' اس سوانح عمری سے اس کے واقعات زندگی ہی نہیں بلکہ ان افسانوی روایات کے بارے میں بھی یقینی طور پر پتا نہیں چلتا جو اس کے متعلق مشہور ہیں۔ دوسری طرف ابن الندیم یہ نظریہ بھی تسلیم نہیں کرتا کہ جابر کا کوئی وجود ہی نہیں تھا۔ جو تحریریں جابر سے منسوب ہیں ان میں امام جعفر الصادقؒ (م 148ھ/ 765ء) کے بارے میں اس قسم کے حوالوں سے کہ وہ اس کے استاد تھے، نیز ان حوالوں سے جن کا اشارہ برامکہ کی طرف ہے، اَلْـجَـلْـدَکی (م 743ھ/ 1342ء) کی اس روایت کی تائید ہوتی ہے کہ وہ ابتدائی عباسی خلفا کا ہم عصر تھا۔ پھر جہاں تک اس کی تاریخی شخصیت کا تعلق ہے، ہوم یارڈ Holmyard کا کہنا ہے کہ اس کا باپ ''حیان نامی ازدی کوفے کا ایک عطار تھا.....'' جس کا ذکر آٹھویں صدی کی ان سیاسی تحریکوں کے سلسلے میں آتا ہے جن سے بالآخر دولت بنی امیہ کا خاتمہ ہو گیا۔'' اس سے پتا چلتا

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے کہ بعض مؤخر مآخذ میں جابر کے لیے ازدی کی نسبت کیوں آئی ہے۔

اس امر سے تو اب کسی کو انکار نہیں کہ جابر کی تصانیف کی جو فہرست خود جابر کی اپنی تحریروں کے حوالے سے الفہرست میں دی گئی ہے بحیثیت مجموعی صحیح ہے، چنانچہ کئی ایک ایسی کتابوں کے اقتباسات جن کا صرف نام ہی معلوم تھا ان تحریروں میں مل گئے ہیں اور اب تک محفوظ ہیں۔ یہی تحریریں تھیں جن کی بدولت کراؤس (P.Kraus) نے ان کی جملہ تصانیف کی ایک تنقیدی تاریخ مرتب کی، مقابلہ کرنے کے بعد ان کے متن و تواریخ کی تعیین کی اور یوں الفہرست میں دی ہوئی فہرست کی اصلاح کر دی۔ اس کے مآخذ میں حل الرموز و مفاتیح الکنوز کو بھی شامل کر لینا چاہیے جس کا حوالہ شوق المستهام، طبع هامر Ancient Alphabets: J.V. Hammer 1810ء، ص 80، میں موجود ہے)

بایں ہمہ ان تحریروں میں جن اشخاص کا ذکر آیا ہے ان کے اسما سے ان کے زمانۂ تصنیف کا پتا نہیں چلتا۔ ان کی موجودگی کی قدیم ترین شہادت کچھ تو کیمیاگر ابن اُمَیل (نواح 350ھ/961ء) اور جعل ساز ابن وحشیہ (نواح 350ھ/961ء) کی تصنیفات سے ملتی ہے اور کچھ ابن الندیم کی الفہرست سے۔

جابر کی جملہ تصنیفات کو متعدد مجموعوں میں تقسیم کیا گیا ہے، جن میں اہم ترین یہ ہیں:

1- کتب المائة والإثناعشر، فن کیمیاگری میں جابر کے غیر مربوط مضامین، جن میں قدیم کیمیا گری کے کئی حوالے (زوسیموس (Zosimus) دیموقریطوس (Democritus) ہرمس (Hermes) اغاثو دیمون (Agathodemon) وغیرہ) آ گئے ہیں۔

2- کتابُ السبعین، یعنی علم الکیمیا میں جابر کی تعلیمات کا مرتب و منظم بیان۔

3- کتب المائة والأربعة والأربعون یا کتب الموازین، کیمیاگری اور جملہ علوم بانی کی نظری اور بالخصوص فلسفیانہ اساس کا بیان۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

4- کتب الخمسمائة، جو کتب الموازین کے بعض مسائل کی مزید تحقیق میں متفرق رسائل پر مشتمل ہیں۔

ان چاروں مجموعوں سے یہ بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ جابری نظریے کا نشو ونما اور اس کی جملہ تصنیفات کی ترتیب بتدریج کن کن مراحل سے گزری۔ ان مجموعوں میں بعض چھوٹے چھوٹے مجموعوں کا بھی اضافہ کرنا پڑے گا جن میں ارسطو اور افلاطون کی کتابوں پر شرحوں کے حوالے سے کیمیا گری سے بحث کی گئی ہے۔ بقول لیبان (Lebon) جابر پہلا ماہر کیمیا ہے جس نے عمل تقطیر و تذویب و تحویل بیان کیا ہے۔ اس کے بعد فلسفہ، فلکیات و نجوم، ریاضیات اور موسیقی، طب اور سحر پر اس کے رسائل آتے ہیں اور آخر الامر مذہبی تصنیفات۔

یہ نہایت وسیع مجموعۂ تصانیف قدما کے ان جملہ علوم پر مشتمل ہے جو مسلمانوں تک پہنچے، لہٰذا یہ ایک ہی مصنف کا کام نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح اس کی تاریخ تصنیف دوسری صدی ہجری/آٹھویں صدی عیسوی کے نصف آخر ایسے قدیم زمانے میں بھی متعین نہیں کی جا سکتی۔ اس سلسلے میں جملہ حقائق کو سامنے رکھیے تو کہنا پڑے گا کہ یہ مجموعہ تیسری صدی ہجری/نویں صدی عیسوی کے آخر اور چوتھی صدی ہجری/دسویں صدی عیسوی کے شروع میں مرتب ہوا۔

جابر کی تصانیف سے جو مسئلہ سب سے پہلے ہمارے سامنے آتا ہے اس کا تعلق مذہب کی تاریخ سے ہے۔ جس طرح قدیم کیمیا گر، جہاں تک ہمیں ان کے متعلق معلومات حاصل ہیں، اپنے فن کی اساس مسیحی اَدْرِیَـــت باطنی علم یا مذاہب العرفان پر رکھتے تھے، اسی طرح جابر نے اپنے نظام علوم کی بنا مسلمانوں کے باطنی علم یا عرفان (اَدْرِیَـــت) پر رکھی، لیکن یہ وہ ابتدائی عرفان و باطنی علم نہیں جس کی نشو ونما پہلی صدی ہجری/ساتویں صدی عیسوی اور دوسری صدی ہجری/آٹھویں صدی عیسوی کے شیعی حلقوں میں ہوا، جیسا کہ الحاد، یعنی ملل واہواء، پر لکھنے والے مسلمان مصنفوں نے بیان کیا ہے، بلکہ یہ باطنی علم و عرفان وہ اتحاد پسندی ہے جو تیسری صدی ہجری/نویں صدی عیسوی کے آخر میں غالی شیعوں میں رائج تھی اور جو

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

انقلابی سیاسی رجحانات کے ساتھ مل کر خطرے کا باعث بنی۔

جابر کی مذہبی مصطلحات کا جائزہ لیا جائے تو قرامطہ سے اس کا بڑا گہرا تعلق نظر آتا ہے، چنانچہ جابر کے ہاں تو قرامطہ کے حوالے بھی ملتے ہیں جو 260ھ/ 873ء کے بعد منصۂ شہود پر آئے تھے۔ امام کو اب صامت کے بجائے ناطق کہا گیا ہے اور مراتب الحدود کے لیے بھی وہی اصطلاحات استعمال کی گئی ہیں جو قرامطیوں اور فاطمی اسمعیلیوں کے ہاں رائج تھیں (مثلاً باب، حجت، داعی مطلق، سابق، تالی، لاحق، وغیرہ)، امام کے مخالفین (اضداد) کے عقیدے کو بھی نشوونما دیا گیا ہے اور تاریخ عالم کی تقسیم باعتبار سلسلۂ وحی کی گئی ہے، جس کا ظہور یکے بعد دیگرے سات مرحلوں میں ہوا اور آخری وحی وہ ہے جو جابری امام کو ہوئی۔ ایسے ہی حضرت علیؓ سے شروع ہو کر نئے امام قائم تک ائمہ اسلام کی تعداد بھی سات ہے: حضرت حسنؓ، حضرت حسینؓ، محمد بن الحنیفہؒ، علیؒ بن حسینؒ محمد بن الباقرؒ، جعفر الصادقؒ، اسماعیل محمد بن اسمعیل نئے امام قائم۔ قرامطہ اور اسمعیلیہ کے برخلاف حضرت علیؓ کا شمار ائمہ سبعہ میں نہیں ہوتا۔ وہ امام صامت ہیں، ایک مخفی الوہیت، جس کا رتبہ ناطق سے بلند تر ہے اور ساتواں امام دنیا میں انہیں کی الوہیت کا مظہر ہیں۔ اس لحاظ سے جابر کی تعلیم فرقہ نصیریہ سے مشابہ ہے اور انہیں کی طرح جابر کے یہاں بھی اقانیم ثلاثہ کا تصور قائم ہے، یعنی عین علیؓ، میم محمد صلی اللہ علیہ وسلم، اور سین سلیمانؑ، البتہ جابر کے نزدیک سین کا رتبہ میم سے برتر ہے (نعوذ باللہ)۔ اس سلسلے میں جابر کا مشتہر امام، جسے وہ ماجد یا یتیم بھی کہتا ہے، میم اور سین کے مراتب سے گزرنے کے بعد براہ راست عین سے ظہور پذیر ہوا ہے۔ دوسرے غالی شیعیوں اور بالخصوص نصیریوں کی طرح تناسخ ارواح کا عقیدہ بھی تسلیم کر لیا گیا ہے (مصطلحات: تناسخ، ادوار، اکوار، نسخ، فسخ، رسخ، مسخ)۔

ثانیاً جابر کی تحریروں سے کچھ ایسے مسائل بھی پیدا ہو جاتے ہیں جن کا تعلق دنیائے اسلام میں علوم کی تاریخ سے ہے۔ جابر کی جملہ تصنیفات میں حسب ذیل اصناف علوم کا مطالعہ کیا گیا ہے:

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کیمیا گری جسے ہمیشہ سب پر مقدم رکھا گیا ہے، طب، نجوم (فلکیات)، سحر (طلسم و نیرنگ) علم خواص اشیاء اور ذوی الحیات کی مصنوعی نسل تکوین۔ پھر اس امر کو تسلیم کرتے ہوئے بھی کہ قدیم علوم کی ان شاخوں کے متعلق ہماری معلومات ناقص ہیں جابر کی تحریروں سے یونانی علوم کے بعض دلچسپ پہلوؤں کو از سر نو اجاگر کیا جا سکتا ہے، جو عام خیال کے مطابق ضائع ہو چکے تھے۔ قدیم کیمیا گری کے بارے میں اس وقت ہمیں جو کچھ بھی معلوم ہے اس کے پیش نظر اس میں اور جابر کی کیمیا گری میں بنیادی فرق ہے۔ اس میں اس ربانی رمز و کنایہ سے عمداً اجتناب کیا گیا ہے جس کی قدیم ترین مثالیں زوسیموس (Zosimus) وغیرہ کی نگارشات میں ملتی ہیں اور جس کی اصل مصری ہے۔ اس رمز و کنایہ کی تجدید مسلمانوں میں ابن اُمَیل، صاحب "مصحف جماعة الفلاسفة" (Turbaphiloso Phorum) الطغرائی اور اَلْجِلْدی وغیرہ ایسے اکثر لوگوں نے کی ہے۔ جابر کی کیمیا گری ایک تجربی علم ہے، جو ایک فلسفیانہ نظریے پر مبنی ہے۔

یہ فلسفیانہ نظریہ زیادہ تر ارسطو کی طبیعیات سے ماخوذ ہے۔ جابر ارسطو کی اس تصنیف سے واقف تھا اور وہ اس کے جملہ حصوں، نیز اسکندر افرودیسی (Alexander of Aphrodisias)، ثامسطیوس (Themistius) سمبلیقیوس (Simplicius) فرفوریوس (Porphyry) وغیرہ کی شرحوں کے حوالے اکثر حُنَیْن بن اسحٰق (م 260ھ/873-874ھ) اور اس کے تلامذہ کے ترجموں سے دیتا ہے۔ ہمیں اس میں افلاطون، ثاوفرسطس (Theophrastus)، جالینوس (Galen) اوقلیدس Euclid، بطلمیوس Ptolemy، ارشمیدس Archimeds اور نام نہاد Plutarchus کی Placita Philosophorum وغیرہ کی اقتباسات بھی ملتے ہیں۔ ان میں متعدد ایسے بھی ہیں جن کی یونانی اصل ضائع ہو چکی ہے۔ کیمیا گری میں کسی اسلامی تصنیف سے قدما کی تصانیف کے بارے میں اتنے وسیع علم کا نہ تو اظہار ہوتا ہے اور نہ کسی کی حیثیت ایسی جامع ہے جیسی جابر کی تصانیف کی۔ اس اعتبار سے وہ رسائل اخوان الصفاء سے مشابہ ہیں، جن کا سرچشمہ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

معلومات بھی وہی ہے جو جابر کا ہے۔

جابر کی علمی مصطلحات بلا استثناء وہی ہیں جن کی اختراع حنین بن اسحٰق نے کی تھی اور جو پھر اس امر کا ثبوت ہے کہ جابر کے مجموعہ تصنیفات کا تیسری صدی ہجری/نویں صدی عیسوی سے قبل مرتب ہونا ممکن نہ تھا۔

جابر کے علم کا بنیادی اصول میزان (توازن) ہے۔ اس اصطلاح میں کئی قسم کے تخیلات وتصورات سے کام لیا گیا ہے اور یہ جابر کے مختلف علمی نظریات میں مطابقت وموافقت پیدا کرنے کی قطعی شہادت ہے۔ میزان کے معنی ہیں:

1- وزن یا ثقل نوعی (بحوالہ ارشمیدس)

2- قدیم کیمیا گروں کا میزان، میزان اصحاب الکیمیاء القدامی، اس پیمانے کے معنوں میں جو اشیاء کے امتزاج میں استعمال ہوا۔

3- عربی ابجد کے ان حروف کے متعلق قیاس آرائی جن کا تعلق بنیادی طبائع اربع حَرَارَتْ، بُرُودَتْ، رَطُوبَتْ، یُبُوسَت سے ہے۔ اس میزان الحرف کا اطلاق نہ صرف عالم تحت القمر کی ہر شے پر، بلکہ عقل، روح و نفس، مادہ، مکان اور زمان جیسے ہر قسم کے مابعد الطبیعی وجود پر بھی ہوتا ہے۔ یہ ایک طرف تو نوفیثا غورثیت اور دوسری جانب جَفْر کے شیعی نظریات تھے جن سے جابر کا نظام علم مستعار ہے۔

4- میزان بذات ایک مابعد الطبیعی اصول بھی ہے یعنی جابر کی علمی وحدت کی علامت۔ اس لحاظ سے وہ مانویوں کے نظریہ ثنویت کی ضد ہے۔ علاوہ ازیں یہ ان نوفلاطونی خیالات کے اثرات سے بھی خالی نہیں جن کا تعلق واحد اور وحدت سے ہے۔

5- میزان ان قرآنی حوالہ جات کی تلمیحاتی تاویل سے بھی ماخوذ ہے جو روز جزا میں وضع موازین کے سلسلے میں مذکور ہیں۔ یہی خیال مسلمانوں کے باب اہل معرفت میں ملتا ہے اور اسی طریق سے جابر اپنے نظام علم کا سلسلہ اپنی مذہبی تعلیمات سے ملاتا ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

معلوم ہوتا ہے جابر کی تصنیفات کو جرّانی ماحول کے وثنی علم وفضل سے گہرا تعلق ہے۔ صابئین نے بعض مابعد الطبیعی اصولوں سے جس طرح بحث کی ہے ان کو پیش کرتے ہوئے جابر صراحۃً ان کا نام لیتا ہے۔ اس کا نظام علم براہ راست ان ماخذ پر مبنی ہے۔ نام نہاد بلینوس الطّوانی (Ps. Appollonius of tyana) کتاب سر الخلیقۃ وغیرہ۔ یہ وہ موضوع تصنیفات ہیں جو محمد بن زکریا الرازی کے ایک حاشیے کے مطابق المامون کے عہد میں مرتب کی گئی تھیں اور "حرّانی" ادب کے بارے میں معلومات کا بہترین سرچشمہ ثابت ہوئی ہیں۔

جابر کا اپنا قول یہ ہے کہ اسے یہ علم اپنے استاد امام جعفر الصادقؒ سے ملا ہے اور اس کے سارے علوم اسی "معدن حکمت" کے رہین منت ہیں، ورنہ اس کی اپنی حیثیت تو محض ایک مرتب ومؤلف کی ہے۔ مذہبی اعتبار سے بھی وہ اپنا درجہ امام موصوف کے فوراً بعد قرار دیتا ہے۔ مزید برآں وہ بیان کرتا ہے کہ اس کا ایک استاد حربی الحمیری تھا، دوسرا ایک راہب اور تیسرا اُذُنُ الحِمَار نامی ایک شخص۔ خاندان برامکہ کے اکابر خالد، یحییٰ، اور جعفر، جن کے نام سے جابر نے اپنے کئی رسائل معنون کیے ہیں، نیز ایک شیعی خاندان بَنُوقُطِین کے افراد کا شمار امام جعفر الصادقؒ کے معاصرین میں کیا گیا ہے۔

لیکن ان سب بیانات کی حیثیت ایک افسانے سے زیادہ نہیں اور یہ اس داخلی شہادت کے سراسر خلاف ہیں جو اس کی تصنیفات سے ملتی ہے۔ علاوہ ازیں امام جعفر الصادقؒ کے شاگردوں میں، جیسا کہ شیعی تصنیفات سے پتا چلتا ہے، کسی جابر ابن حیان کا نام نہیں ملتا لہٰذا یہ محض ایک من گھڑت بات معلوم ہوتی ہے۔ پھر یہ بات بھی ہماری سمجھ میں آ جاتی ہے کہ ان کتب ورسائل کے مصنف نے انہیں امام جعفر صادقؒ کے ایک شاگرد سے صرف اس لیے منسوب کیا کہ اکثر شیعی نگارشات میں امام جعفر الصادقؒ کو یونانی علم وفضل اور بالخصوص علوم باطنی کا نمائندہ تصور کیا جاتا ہے۔ مزید برآں وہ ساتویں امام اسمٰعیل کے والد تھے، جن کے ظہور کا ان تصنیفات میں اعلان ہوا۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ابن الندیم کی الفہرست میں لکھا ہے کہ اس کے عہد میں ایسے شیعہ بھی موجود تھے جو جابر سے ان تصنیفات کی نسبت کو مشکوک سمجھتے تھے۔ ابوسلیمان المنطقی (م نواح 370ھ/980-981ء) ایسے فلسفی اور سائنس دان کی کتاب التعلیقات میں مذکور ہے کہ وہ جابر سے منسوب کردہ کتابوں کے مصنف کو ذاتی طور پر جانتا تھا۔ اس کا نام حسن بن النکد الموصلی تھا۔ اگر یہ بھی تسلیم کر لیا جائے کہ تصنیفات جابر کا مصنف کوئی فرد واحد نہیں تھا اور یہ کہ جابر کا سارا مجموعۂ کتب اپنی موجودہ شکل میں ایک خاصے طویل ارتقائے عمل کے بعد مرتب ہوا، تو بھی ہمیں اس بیان پر شک کرنے کی کوئی وجہ نظر نہیں آتی۔ اس اعتبار سے یہ تقریباً 330ھ/942ء میں پایۂ تکمیل کو پہنچا ہوگا۔ محمد محسن شیخ آغا بزرگ طہرانی نے جابر کی کتاب الرحمۃ کے آغاز میں مذکورہ حوالے سے ابوالربیع سلیمان بن موسیٰ بن ابی ہشام کی ایک روایت نقل کی ہے کہ جب جابر نے 200ھ میں بمقام طوس وفات پائی تو کتاب الرحمۃ اس کے سر کے نیچے رکھی ہوئی ملی ❶ اس روایت نے جابر کی وفات کا مقام و سن متعین کر دیا۔

آگے چل کر عربی کیمیا گری نے جابر کی تحریروں سے خاص اثر قبول کیا۔ متاخرین سب کے سب ان کا حوالہ دیتے ہیں اور ان میں سے کئی ایک نے ان کی شرحیں بھی لکھیں۔ جابر کے مجموعہ تصانیف کی کئی کتابوں کا ترجمہ لاطینی میں بھی کیا گیا، البتہ وہ مشہور رسائل جو جابر شاہ عرب (Geber rex Arabum) سے منسوب ہیں وہ دراصل ایک مؤخر تنقیح و تہذیب پر مبنی ہیں، جو سترہویں صدی عیسوی کے ایک لاطینی مصنف کے ہاتھوں انجام پائی۔ ❷

❶ الذریعۃ الی تصانیف الشیعۃ، ۲: ۵۵

❷ اردو دائرہ معارف اسلامیہ: ۷، ۸، ۹

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ثابت ابن قرہ

(836ء___901ء)

ریاضی، فلکیات، میکانیات، طب اور فلسفہ کا یہ عالم 836ء میں عراق کے شہر حران میں پیدا ہوا۔ یہ علاقہ اس وقت ترکی میں ہے۔ 18 فروری 901ء میں بغداد کے مقام پر اس کی وفات ہوئی۔

ثابت ابن قرۃ کا تعلق صابی مذہب سے تھا۔ یہ مذہب بابل کے ستارہ پرستوں سے چلا۔ چونکہ صابیوں کی اکثریت ستارہ شناس تھی، اس لیے ان کے ہاں بہت سے ہیئت دان اور ریاضی دان پیدا ہوئے۔ اہل یونان کے غلبہ کے عرصہ میں یہ یونانی زبان بولنے لگے اور انہوں نے یونانی نام بھی اختیار کر لیے۔ جب عربوں نے ان کا علاقہ فتح کیا تو یہ عربی بولنے لگے اور عربی نام بھی رکھ لیے۔ اگرچہ بڑی مدت تک یہ اپنے مذہب ہی پر کاربند رہے۔ ثابت کی اصل زبان سریانی تھی، لیکن وہ یونانی اور عربی بھی جانتا تھا۔ اس کی بیشتر سائنسی تصانیف عربی میں تھیں۔ کچھ سریانی زبان میں تھیں اور اس نے کئی یونانی کتابوں کا ترجمہ عربی زبان میں کیا۔

جوانی میں ثابت حران میں مبادلہ زر کا کام کرتا تھا۔ موسیٰ بن شاکر کے تین بیٹوں میں سے ایک محمد بن موسیٰ بن شاکر، جو ایک ریاضی دان تھا، کا گزر حران سے ہوا تو وہ ثابت کی زبان دانی سے بہت متاثر ہوا اور اس کو بغداد آنے کی دعوت دی۔ بغداد جا کر ثابت کو تینوں بھائیوں کی رہنمائی حاصل ہوئی اور وہ ریاضی اور ہیئت کا عظیم عالم بن گیا۔ اس کی تصانیف میں سب سے زیادہ کام اس کی ریاضی کی کتابوں

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پر ہوا ہے اور اس دور میں جتنے اہم ریاضیاتی اکتشافات ہوئے ہیں، ان میں ان تصانیف کا بڑا حصہ ہے۔ ان اکتشافات میں عدد کے تصور کا مثبت حقیقی اعداد پر اطلاق، احصائے تکمیلی (Integral Calculus) اور گروی تکونیات (Spherical Trigonometry)، تجزیاتی ہندسہ (Analtical Geometry) اور غیر اقلیدسی ہندسہ (Nono - Euclidean) شامل ہیں۔ فلکیات کے میدان میں ثابت ان لوگوں میں شامل ہے، جنہوں نے پہلے پہلے بطلیموسی نظام میں اصلاحات تجویز کیں اور سکونیات (Statics) کا تو وہ بانی مبانی تھا۔ وہ ایک ممتاز طبیب اور عراق کے صابیوں کا رہنما تھا۔ اس نے اپنے علاقے میں اپنے ہم مذہبوں کے اثر و رسوخ کو خاصا بڑھایا۔ زندگی کے آخری سالوں میں ثابت عباسی خلیفہ المعتضد (دور حکومت 892 تا 902ء) کے درباریوں میں شامل رہا۔ اس کا بیٹا سنان اور پوتے ابراہیم اور ثابت بھی مشہور و معروف علماء میں سے تھے۔

ثابت نے ریاضی کی تقریباً تمام شاخوں میں کام کیا۔ اس نے بہت سی قدیم ریاضی کی کتابوں کا یونانی سے عربی میں ترجمہ کیا۔ ان تراجم میں خاص اہمیت کی حامل ارشمیدس کی وہ تمام تصانیف ہیں، جن کا اصل متن یونانی زبان میں ناپید ہو چکا ہے، مثلاً اصول مسلمہ (Lemmata)، چھوتے ہوئے دائرے (No Touching Circles)، مثلثات (On Triangles) اور اپالونیس کی مخروطیات (Conics)۔ ثابت نے اقلیدس کی عناصر (Elements) اور بطلیموس کی المجسطی کی شرحیں بھی لکھیں۔ ❶

❶ (معروف مسلم سائنسدان: ص ۱۹۳)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

غیاث الدین ابوالفتح عمر ابن ابراہیم الخیامی المعروف بہ عمر خیام

(1048ء ___ 1131ء)

15- مئی 1048ء کو ایران کے شہر نیشاپور میں پیدا ہوا اور 4- دسمبر 1131ء کو یہیں وفات پائی۔ وہ ایک خوبصورت شاعر ہونے کے ساتھ ساتھ ایک ماہر ریاضی دان بھی تھا اور اسے فلکیات اور فلسفے میں بھی کمال حاصل تھا۔

خیام کے والد کا نام ابراہیم تھا۔ ابراہیم یا اس کے آباؤ اجداد خیمہ سازی کے پیشے سے وابستہ تھے۔ ''عمر'' اس کا ذاتی نام تھا، جبکہ ''غیاث الدین'' کا خطاب اسے بعد میں ملا۔ ''النیشاپوری'' کا لقب اس نے اپنی جائے پیدائش کی نسبت سے اختیار کیا۔

بارہویں سے پندرہویں صدی عیسوی تک کے عربی مآخذ میں خیام کے بارے میں چند حوالے ملتے ہیں لیکن ان میں بعض کا آپس میں اختلاف ہے ان مآخذ میں اس کی پیدائش اور وفات کی تاریخیں بھی مختلف ہیں۔ ایک جگہ اس کا سنہ پیدائش 1017ء مرقوم ہے، حالانکہ سب سے زیادہ معتبر تاریخ پیدائش وہی ہے، جو سطور بالا میں درج ہے یعنی 1048ء۔ یہ تاریخ مشہور مؤرخ البیہقی (1106ء-1174ء) نے دی ہے، جو خیام کو ذاتی طور پر جانتا تھا۔ اس نے اپنی تاریخ میں خیام کے زائچے سے متعلق ایک دستاویز بھی شامل کی ہے۔ خیام کی اغلب ترین تاریخ وفات کے لیے جزوی طور پر نظامی عروضی سمرقندی (1110ء-1155ء) کے اس بیان کو بنیاد بنایا گیا ہے، جس میں اس نے خیام کے انتقال کے چار برس بعد اس کے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مقبرے کی زیارت کا ذکر کیا ہے۔ وہ بتاتا ہے کہ اس نے یہ زیارت 530ھ (1135ء-1136ء) میں کی۔ اس تاریخ وفات (4 دسمبر 1131ء) کی تصدیق پندرہویں صدی عیسوی کے ایک مصنف یار احمد تبریزی نے بھی کی ہے۔

خیام کی ولادت کے ضمن میں یہ بات مسلمہ ہے کہ وہ خراسان پر سلجوقیوں کے قبضے کے فوری بعد پیدا ہوا۔ سلجوقیوں نے خوارزم، ایران اور آذربائیجان کے علاقے فتح کر لیے اور ان پر ایک عظیم ریاست کی بنیاد رکھی۔ اکثر مآخذ بشمول البیہقی اس بات پر متفق ہیں کہ خیام نیشاپور سے تعلق رکھتا تھا۔ تیرہویں چودھویں صدی عیسوی کے ایک مؤرخ رشید الدین فضل اللہ کے مطابق اس نے نیشاپور میں ہی تعلیم حاصل کی۔ ایک دوسرے مصنف تبریزی کے مطابق اس نے لڑکپن اور جوانی کا زمانہ بلخ میں گزارا۔ وہ یہ بھی لکھتا ہے کہ سترہ سال کی عمر تک اس نے فلسفے پر مکمل عبور حاصل کر لیا تھا۔

وثوق سے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ خیام نے تعلیم کہاں سے حاصل کی۔ کہا جاتا ہے کہ اس نے تعلیم مکمل کرنے کے بعد غالباً معلّمی کا پیشہ اختیار کیا۔ ان تدریسی مصروفیات کی وجہ سے اسے اس قدر فراغت نہیں ملتی ہو گی کہ وہ اپنی توجہ سائنسی تحقیقات پر مرکوز کر سکے۔ اس دور میں جو علماء خود صاحب ثروت نہیں تھے، انہیں کسی بااثر شخصیت کا سہارا ڈھونڈنا پڑتا تھا۔ خیام کو بھی یکسوئی کی خاطر شاہی دربار سے وابستگی اختیار کرنا پڑی۔ اس صورت حال میں بھی کسی سکالر یا محقق کا پوری آزادی سے اپنی تحقیقات اور تخلیقات پر توجہ دینا ممکن نہیں ہوتا اور اس کے سرپرست کا رویہ اور درباری سیاستیں کسی نہ کسی طور اس کے کام پر ضرور اثر انداز ہوتی ہیں۔ خیام نے اپنے ''رسالۃ فی البراہین علی مسائل والمقابلۃ'' کے آغاز میں اس طرح کی زندگی کے مصائب پر بڑے بھرپور انداز سے روشنی ڈالی ہے:

''میں زمانے کی ناہمواریوں کے سبب پیش آنے والی رکاوٹوں کی وجہ سے اس قابل نہیں تھا کہ اپنے آپ کو علم الجبرا کے لیے وقف کر سکوں اور اس پر مسلسل توجہ دے سکوں۔ ہمیں تمام اہل علم حضرات سے محروم کر دیا

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

گیا ہے، سوائے ایک گروپ کے جو چند ایک لوگوں پر مشتمل ہے۔ انہیں بہت مشکلات درپیش ہیں اور ان کو زندگی میں بس یہ دلچسپی ہے کہ وہ موقع ڈھونڈتے ہیں اور جب زمانہ سو رہا ہوتا ہے وہ اپنے آپ کو اس اثنا میں سائنس کی تکمیل اور تحقیق کے لیے وقف کرتے ہیں کیونکہ ان لوگوں کی اکثریت، جو فلسفیوں کی نقالی کرتے ہیں، سچ کو جھوٹ سے خلط ملط کر دیتی ہے۔ یہ لوگ محض دھوکہ دیتے ہیں اور علم جتاتے ہیں۔ وہ سائنس کے بارے میں جو کچھ جانتے ہیں، اسے استعمال نہیں کرتے سوائے ہیچ اور مادی اغراض کے لیے اگر وہ کسی ایسے شخص کو دیکھتے ہیں جو سچ کا متلاشی ہے اور حقیقت کو ترجیح دیتا ہے اور فریب اور ریاکاری کو چھوڑ کر جھوٹ اور ناحق کو جھٹلانے کے لیے حتی المقدور کوشش کر رہا ہے، تو وہ اس کا مذاق اڑاتے ہیں اور اسے چڑاتے ہیں۔''

یہ بات قابل داد ہے کہ خیام نے اپنی کسی مجبوری کو آڑے نہیں آنے دیا۔ اس نے نامساعد حالات کے باوجود اپنا کام جاری رکھا اور ''مشکلات الحساب'' جیسی اہم اور مفید کتاب قلمبند کی۔ خیام کی یہ ریاضیاتی تصنیف تاحال دریافت نہیں ہوسکی۔ اس دوران اس نے الجبرے پر بھی ایک تصنیف رقم کی۔ اس کے علاوہ اس نے موسیقی پر ایک رسالہ ''القول علیٰ اجناس التی بالاربع'' بھی لکھا۔

1070ء کے لگ بھگ خیام سمرقند پہنچا، جہاں اس نے قاضی القضاۃ ابوطاہر کی مصاحبت اختیار کی اور اس کی سرپرستی میں مکعب مساواتوں کے متعلق الجبرے کی ایک عظیم تصنیف قلمبند کی۔ اس تصنیف کے متعلق اس کے ذہن میں غالباً پہلے سے اسکیم موجود تھی۔ خاقان بخارا شمس الملوک کے دربار میں یا پھر اصفہان میں قیام کے دوران میں خیام نے اس تصنیف میں مزید اضافہ کیا۔ اصفہان میں اسے سلجوقی سلطان جلال الدین ملک شاہ اور اس کے وزیر نظام الملک نے مدعو کیا تھا اور یہاں اسے فلکیاتی رصدگاہ کی نگرانی پر مامور کیا گیا۔

خیام نے اصفہان میں تقریباً اٹھارہ سال قیام کیا۔ یہ دور غالباً اس کی

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

زندگی کا سب سے زیادہ پرسکون اور خوشگوار دور تھا۔ رصدگاہ میں خیام کو اس دور کے بہترین ماہرین فلکیات کا ساتھ حاصل تھا۔ خیام کی رہنمائی میں اور اس کے رفقائے کار نے فلکیاتی جداول مرتب کیں، جو ''زیج ملک شاہی'' کے نام سے مشہور ہوئیں۔ ان میں سے بیشتر جداول ضائع ہو چکی ہیں۔ اب صرف کسوفی محددات (Ecliptic Coordinates) اور سو سے زیادہ چمکدار ساکن ستاروں کی جداول دستیاب ہیں۔ اس کے علاوہ ایران میں مروج شمسی کیلنڈر کی اصلاح کا اہم کام بھی اسی رصدگاہ میں پایۂ تکمیل کو پہنچا۔

خیام نے کیلنڈر کی اصلاح کا منصوبہ 1079ء کے لگ بھگ پیش کیا۔ بعد میں اس نے ''نوروز نامہ'' کے عنوان سے گزشتہ اصلاحات کی ایک تاریخ مرتب کی۔ خیام کی تجویز کردہ اصلاحات کا علم صرف نصیرالدین طوسی اور الغ بیگ کی فلکیاتی جداول میں شامل مختصر بیانات سے ہوتا ہے۔ نئے کیلنڈر کے لیے تینتیس برس کے دور کو بنیاد بنایا گیا اور اسے سلطان جلال الدین ملک شاہ کی نسبت سے ''سن ملکی'' یا ''سن جلالی'' کا نام دیا گیا۔ ہر دور کے چوتھے، آٹھویں، بارہویں، سولہویں، بیسویں، چوبیسویں، اٹھائیسویں اور تینتیسویں سال کو تین سو چھیاسٹھ دنوں پر مشتمل لیپ کا سال قرار دیا گیا، جبکہ سال کی اوسط لمبائی 365.2424 دن قرار پائی۔ اس لحاظ سے یہ اصل شمسی کیلنڈر سے 0.0002 دن کا انحراف کرتا ہے اور اس کیلنڈر میں پانچ ہزار سال بعد ایک دن کا فرق نکلتا ہے۔ یہاں یہ بتانا بے محل نہیں ہوگا کہ آج کل مروج گریگورین کیلنڈر کے اوسط سال کی لمبائی 365.2425 دن ہے اور اس میں ایک دن کا فرق 3,333 سالوں بعد پیدا ہوتا ہے۔

خیام درباری منجم کی حیثیت سے بھی کام کرتا رہا، لیکن جہاں تک اس کی اپنی ذات کا تعلق ہے وہ عدالتی نجومیات پر اعتقاد نہیں رکھتا تھا۔ سرکاری فرائض کے ساتھ ساتھ خیام نے اپنی نجی سرگرمیاں بھی جاری رکھیں اور 1077ء میں اقلیدس کے متوازی خطوط اور نسبتوں کے نظریے پر تبصرے تحریر کیے۔ خیام کی یہ تصنیف اور متذکرہ صدر رسالہ اس کی اہم ترین سائنسی تصانیف میں شمار کیا جاتا ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس دور میں اس نے فلسفے پر بھی کام کیا اور 1080ء میں ''رسالۃ الکون والتکلیف'' لکھا اور اس کے ساتھ ''الجواب عن ثلاث مسائل: ضرورت التھد فی العالم والجبر والبقا'' کے طور پر شامل کیا۔ غالباً اسی دوران میں اس نے ایک وزیر معید الملک (دور وزارت 1095ء - 1118ء) کے بیٹے کے لیے ''رسالۃ فی الکلیت الوجود'' بھی لکھا اس کے دوسرے دو فلسفیانہ رسالوں ''رسالۃ الضیاء العقلی فی الموضوع العلم الکلی'' اور ''رسالۃ فی الوجود'' کے بارے میں یقین سے نہیں کہا جا سکتا کہ یہ کب تحریر کیے گئے۔

1092ء میں ملک شاہ کی وفات اور اس کے وزیر نظام الملک کے قتل کے بعد ملک شاہ کی دوسری بیوی ترکان خاتون تخت پر بیٹھی اور اس کے ساتھ ہی خیام کو بہت سی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ ترکان خاتون کے نظام الملک کے ساتھ جانشینی کے مسئلے پر اختلافات پیدا ہو گئے تھے۔ چونکہ خیام کا سرپرست نظام الملک تھا، اس لیے وہ بھی نئی خاتون حکمران کے عتاب کا شکار ہوا۔ رصدگاہ کی مالی امداد بند کر دی گئی اور اس کی سرگرمیاں معطل ہو کر رہ گئیں۔ کیلنڈر کی اصلاح کا کام بھی مکمل نہ ہو سکا۔ تنگ نظر ملاؤں کو، جو خیام کی آزاد خیالی کی وجہ سے اس سے پہلے ہی برہم تھے، دربار میں رسوخ حاصل ہوا اور انہوں نے خیام کو ہر ممکن ایذا پہنچانے کی کوشش کی۔ اس سلسلے میں اس کی شراب و شباب کے مضامین سے آراستہ رباعیاں خاص طور پر ہدف تنقید بنیں۔

صورت حال کی خرابی کے باوجود خیام نے سلجوقی دربار سے اپنی وابستگی برقرار رکھی، لیکن اسے اپنی سائنسی تحقیقات رک جانے کا بہت دکھ تھا۔ اس نے ملک شاہ کے جانشینوں کو رصدگاہ کی امداد کی بحالی پر آمادہ کرنے کے لیے ہر ممکن کوشش کی۔ اس مقصد کے لیے اس نے ایک پراپیگنڈہ مہم بھی چلائی۔ اس پراپیگنڈہ میں ''نوروز نامہ'' نے بہت اہم کردار ادا کیا، جس کا موضوع تحریر ایران میں نئے شمسی سال کی خوشی میں منایا جانے والا جشن تھا۔ اس میں خیام نے شمسی کیلنڈر کی تاریخ بیان کی اور جشن نوروز سے متعلقہ تقریبات کا ذکر کیا۔ اس نے قدیم ایرانی حکمرانوں

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کا ذکر خصوصاً بڑی تکریم سے کیا، جو علوم وفنون کے رسیا، تعمیرات کے دلدادہ اور علماء کی بہت عزت کرتے تھے۔

خیام نے اصفہان کو اس وقت چھوڑا جب ملک شاہ کا تیسرا فرزند ستمبر 1118ء میں تخت نشین ہوا۔ اصفہان کو خیر باد کہنے کے بعد اس نے کچھ عرصہ مرو میں گزارا۔ یہ شہر سلجوقیوں کا دارالخلافہ تھا۔ ''میزان المکم'' اور ''فی القسطاس المستقیم'' غالباً اس نے اسی شہر میں تحریر کیں۔ یہ دونوں کتابیں خیام کے ایک شاگرد المظفر الاسفیرزی کی تصانیف کے ساتھ ایک مجموعے میں یکجا کی گئی ہیں۔ اس مجموعے کا نام بھی ''میزان الحکم'' ہے اور اسے خیام کے ایک دوسرے شاگرد الخازنی نے مرتب کیا ہے۔ ''میزان الحکم'' میں خیام نے دوسری چیزوں کے علاوہ کسی بھرت میں شامل مختلف دھاتوں کے اوزانِ مخصوص کے ابتدائی تعین کی مدد سے بھرت میں موجود سونے اور چاندی کی مقداروں کے تعین کے مسئلے کا خالص جبری حل بھی پیش کیا ہے۔ ''فی القسطاس'' میں حرکی وزن متغیر پیمانوں کے حامل ترازو پر بحث کی گئی ہے۔ ❶

www.KitaboSunnat.com

❶ (معروف مسلم سائنسدان: ص ۲۳۱)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ابوعبداللہ وابوجعفر محمد بن موسیٰ الخوارزمی

(232ھ ___ 846-847ء)

الطبری میں الخوارزمی کو المجوسی (مجوسی کی اولاد) اور القطربلی دجلہ کے مغرب میں بغداد کے قریب ضلع قطربل کا باشندہ یا متوطن بھی لکھا گیا ہے۔ اس کی زندگی کے حالات بہت کم معلوم ہیں اور جو معلوم ہیں وہ بھی معتبر نہیں کیونکہ اکثر صورتوں میں پتا نہیں چلتا کہ ان کا تعلق اس سے ہے یا محمد بن موسیٰ ابن شاکر سے۔

الخوارزمی کی تاریخ پیدائش بھی معلوم نہیں۔ تاریخ وفات بھی غیر قطعی ہے۔ سوتر کی رائے میں اس کا انتقال 220ھ/835ء اور 230ھ/844ء کے درمیان ہوا اور نالینو کے نزدیک 232ھ/846-847ء کے بعد۔ الخورزمی نے مامون کے عہد میں فروغ پایا۔ وہ اس کے ہیئت دانوں میں شامل تھا اور اس کے عہد خلافت میں جب زمین کے درجات کی پیائش کی گئی تو اس میں شاید وہ بھی شریک تھا۔ مطالعے کا بیشتر وقت مامون کے کتب خانے میں گزارتا تھا۔ مامون نے اسے یونانی کتابوں کے جمع کرنے اور ان کے تراجم کروانے کا کام سپرد کیا تھا۔ الخوارزمی نے ریاضیات، جغرافیہ، ہیئت اور تاریخ میں خوب خوب محنت کی اور کتاب التاریخ کے نام سے ایک تصنیف مکمل کی، جس کا ذکر المسعودی نے بطور ماخذ کیا ہے اور جس سے غالباً الطبری نے عہد مامونی 210ھ/825-826ء کے ایک واقعے کے متعلق اقتباس بھی لیا ہے۔ ❶

❶ دیکھئے نالینو al-Huwarizmi: C.A. Nallino وغیرہ، ص 12

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

الخوارزمی کی تصنیفات بڑی اہم اور خود اس کی ذاتی تحقیقات کا نتیجہ ہیں جو اس کی حکیمانہ طبیعت اور نبوغ علم کا ثبوت ہیں۔

ان تصنیفات کا تعلق اس زمانے سے ہے جب ابھی یونانی علوم وفنون کے ترجموں کا دور دورہ شروع نہیں ہوا تھا۔ یہ الگ بات ہے کہ الخوارزمی کی زندگی کا کچھ حصہ الحجاج کی معاصرت میں گزرا۔ یہی وجہ ہے کہ جبر و مقابلہ میں اس نے جو خدمات سرانجام دیں ان میں زیادہ تر ہندوؤں، ایرانیوں اور مدرسۂ جندی شاپور کی تصنیفات سے کام لیا گیا ہے۔ یونانی مآخذ کی حیثیت اس کے لیے ثانوی تھی۔ البتہ ہیئت اور جغرافیے میں شاید صورت حالات قدرے مختلف ہے۔ الخوارزمی کی تصنیفات کا ذکر یعقوب الندیم کی الفہرست (ص 275) اور ابن القفطی (ص 286) میں موجود ہے۔ الفہرست میں الخوارزمی کے فوراً بعد سند بن علی کا ذکر آتا ہے۔ لہٰذا کارپنسکی (Karpuniski) کو یقین تھا اور الحساب الھندی، الجمع والتفریق اور الجبر والمقابلہ جنہیں سند سے منسوب کیا گیا، دراصل خوارزمی ہی کی تصانیف ہیں۔

ریاضیات میں اس کی اہم ترین تصنیف حساب الجبر والمقابلۃ (J.Ruska کی رو سے tine for antegration and Equation Processes of Calcula) ہے لیکن ان معنوں میں نہیں جو ہمارے نزدیک جبر و مقابلہ کے ہیں بلکہ اطلاقی (applied) حساب کا ایک مقدمہ، جس کی بنا متعدد حل شدہ مثالوں پر رکھی گئی۔ علاوہ ازیں اس تصنیف میں طرح طرح کی معلومات شامل ہیں۔

1- تکمیل (Integration) اور مساوات کا عمل، مساوات کی سادہ ترین شکلیں۔

2- پیمائش اور مساحت۔

3- ورثوں کی از روئے وصیت تقسیم کے قواعد۔ لاطینی میں اس کتاب کا ترجمہ G.of Cremma اور R. of Chester وغیرہ نے کیا۔

لیکن غلط فہمیوں کی وجہ سے اور الخوارزمی کے تلفظ کے بگڑنے کے سبب

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

طرح طرح کے الفاظ وضع ہونے لگے جن کی انتہائی بالآخر الگورزم "algorism" پر ہوئی یعنی حساب لگانے کا کوئی متوالی طریقہ جو رفتہ رفتہ قاعدے کی صورت اختیار کر لے۔

جہاں تک شرحون کا تعلق ہے سنان بن فتح، عبدلالہ بن السید نانی، ابوالوفاء کے حوالے دیئے جاتے ہیں۔ روزن (Rosen) نے ان کے علاوہ کسی المزیھفی کا حوالہ بھی دیا ہے۔ الخوارزمی کی تصنیف سے نہایت گہرے اثرات مرتب ہوئے اور آگے چل کر ابوکامل شجاع بن اسلم نے صاف صاف لفظوں میں اس سے استفادہ کیا۔ لا۲ + ۱۰ لا =۳۹ اور اس قسم کی مثالیں بار بار دہرائی جاتی ہیں مثلاً ابوکامل الکرخی، عمر الخیام اور عیسائی مصنفین لیونارڈ متوطن پیسا (Leonsrdo of Pisa) کی تصنیفات میں جو ظاہر ہے الخوارزمی سے متاثر ہوئے۔

حساب میں الخوارزمی کی ایک اور تصنیف ابھی تک محفوظ ہے مگر لاطینی ترجمے میں رسکہ (J. Ruska) کے نزدیک یہ کتاب الجمع والتفریق کے بالکل مطابق ہے۔

محمد بن ابراہیم الفزاری نے سدھانتا کا ترجمہ عربی میں کیا تھا اور وہ ''سند ہند عظیم'' کے نام سے مشہور ہوئی۔ الخوارزمی نے سند ہند کے دو نسخے تیار کیے بلکہ اس سے پہلے شاید اس کا ملخص بھی۔ فلکی جدولوں کی جو کتاب اس طرح مرتب ہوئی، اس کا نام، جیسا کہ ابن یونس کا قول ہے، الخوارزمی نے فی زیج رکھا۔ زیجی تصنیفات کی طرح اس میں صرف جدولیں ہی موجود نہیں بلکہ فلکیات سے بھی بحث کی گئی ہے۔

ابن ابی اُصَیبعہ کا بیان ہے کہ جداول میں الخوارزمی کی اس زیردست تصنیف کو مسلمہ المجریطی نے ازسرنو ترتیب دے کر پھر سے شائع کیا اور شاید یہی متن تھا جس کی اساس پر لاطینی میں اس کا ترجمہ ہوا۔ اس تصنیف میں مثلثی جدولیں بھی موجود ہیں، جن میں لفظ جیب ہمیشہ gaib "djaib" کے لیے استعمال ہوا۔ حالانکہ ثابت بن قرہ کے یہاں اس کا حوالہ کبھی کبھی ہی ملتا ہے۔

لہٰذا بہت ممکن ہے الخوارزمی میں اس لفظ کا استعمال مسلمہ ہی نے کیا ہو۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

الخوارزمی نے اپنی کسی دوسری تصنیف میں شاید رؤیت ہلال سے بھی بحث کی ہے۔ یاقوت نے جسامت زمین کے متعلق ایک بیان کے سلسلے میں محمد بن موسیٰ الخوارزمی کو صاحب الزیج (کتاب الجد اول کا مصنف) کہا ہے لیکن زیج میں ایسا کوئی بیان نہیں ملتا۔

الخوارزمی نے دو کتابیں اصطرلاب کے بارے میں بھی مدون کیں۔ کتاب العمل بالاصطرلاب (اصطرلاب کا طریقۂ استعمال) اور **کتاب عمل الاصطرلاب** (اصطرلاب سازی کا فن) مگر ان میں سے کوئی بھی محفوظ نہیں نہ عربی میں اور نہ لاطینی میں۔ الفرغانی کی کتاب **فی صنعت الاصطرلاب بالهندسة** (اصطرلاب سازی ہندسہ کی مدد سے) نسخۂ برلن، فہرست شمارہ 5790 میں کئی فلکی مسائل اصطرلاب کی مدد سے حل کیے گئے ہیں اور اس کا یہ حصہ ان الفاظ سے شروع ہوتا ہے ''محمد بن موسیٰ الخوارزمی کہتا ہے.....''

دھوپ گھڑیوں کے متعلق الخوارزمی کی کتاب الرخامۃ کے متعلق ہمیں اس کے سوا اور کچھ معلوم نہیں کہ اس نے اس قسم کی ایک کتاب تصنیف کی۔

الخوارزمی نے نجوم کے بعض مسائل پر عملی پہلوؤں سے قلم اٹھایا، مثلاً ابو معشر کے بیان کردہ ایک قصے کے ماتحت اس نے اس امر کی تحقیق کی کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت مبارک کے وقت کواکب کے قرانات سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آئندہ نبوت کے متعلق کہاں تک پتا چل سکتا تھا۔

المأمون کے ایما پر الخوارزمی نے، شاید بعض دوسرے علما سے مل کر، افلاک اور کرہ ارض کے نقشوں کی ایک اٹلس بھی تیار کی تھی۔ کتاب صورۃ الارض، جس کا نسخہ سٹراس برگ (Stassburg) میں محفوظ ہے یا جیسا کہ ابو الفداء اسے **کتاب رسم الربع المعمور** (کرۂ ارض کے آباد حصص کے نقشوں کی کتاب) کہتا ہے، اسی سے تعلق رکھتی ہے اور نالینو یہ ثابت کر چکا ہے کہ یہی وہ متن ہے جو نقشوں کے ساتھ ملحق تھا۔ نقشوں (دونوں نسخوں) کی تیاری میں اگرچہ بطلمیوس کی Geography پیش نظر تھی مگر اس کی ترتیب اس نے اپنے انداز میں کی اور اس میں

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نئے اور مستقل اضافے بھی کیے۔

کتاب مذکور کا ایک نسخہ نالینو نے اطالوی زبان میں مرتب کیا اور اس کے جغرافیائی مواد کے متعلق، بالخصوص اسی مواد کے حوالے سے جو بطلیموس میں ملتا ہے، بڑی تحقیق و تفتیش سے کام لیا ہے۔ H.von Mzik نے بھی اس کتاب پر مکمل بحث کی ہے اور افریقہ سے متعلق حصے ترتیب دے کر اس کے ترجمے کے ساتھ تشریحات کا اضافہ بھی کر دیا ہے۔ ❶

❶ اردو دائرہ معارف الاسلامیہ: ۹/ ۳۵، ۳۶

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جعفر بن محمد ابو معشر البلخی

(787ء___886ء)

جعفر بن محمد ابو معشر البلخی کو انگریزی میں Albumasar کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ وہ 10 اگست 787ء کو بلخ میں یا اس کے نواح میں پیدا ہوا اور خاصی طویل عمر گزار کر عراق کے ایک شہر الواسط میں 9 مارچ 886ء کو انتقال کر گیا۔ اس کی شہرت ایک ماہر نجوم کی حیثیت سے ہے۔ ابو معشر البلخی کی جائے ولادت یعنی بلخ ایک قدیم شہر تھا اور یہ وسط ایشیا کا ایسا شہر تھا جہاں یونانی تمدن کے آثار پائے جاتے تھے۔ ساسانیوں کے دور میں اسی جگہ اہل ایران کے ہندوستانیوں، چینیوں، تورانیوں اور شامیوں سے سماجی تعلقات استوار ہوئے۔ حضرت عثمانؓ کے زمانۂ خلافت (644ء-656ء) میں حضرت احنف بن قیسؓ نے اس شہر کو فتح کیا۔ اس وقت یہاں کی آبادی میں زردشتیوں کے علاوہ ہندو، یہودی، بدھ، نستوری، عیسائی اور مانوی مذاہب کے پیروکار شامل تھے۔ آٹھویں صدی عیسوی کے وسط میں سلطنت عباسیہ کے بہت سے فوجی افسر اور دانشور اس علاقے سے تعلق رکھتے تھے۔ یہ ارباب علم و دانش سیاسی طور پر ایرانیت اور مذہبی لحاظ سے شیعیت سے زیادہ دلچسپی رکھتے تھے، لیکن ان مذہبی رجحانات کے باوجود عباسیوں نے بغداد میں کتاب خانوں اور دارالتراجم کے قیام میں ان کے علم و دانش سے بھرپور استفادہ کیا اور انہیں یہ موقع فراہم کیا کہ وہ اپنے علوم کو عربی میں منتقل کر سکیں۔ یوں وہ اپنی علمی وراثت کو مسلمانوں کی روایت کا حصہ بنانے میں کامیاب ہو گئے۔

ابو معشر بھی اہل خراسان کے ان دانشوروں میں سے تھا۔ وہ اپنے ہاں کی

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عقل و دانش کی برتری کا قائل تھا اور اس کا اظہار اس نے اپنی کتابوں ''کتاب اختلاف الزیجات'' اور ''کتاب الالوف'' میں بڑے پروز انداز میں کیا ہے۔ ساسانیوں کی سائنسی تحقیقات کا اسے براہ راست علم نہیں تھا، بلکہ اس سلسلے میں اس کی معلومات کا انحصار صرف تراجم پر تھا۔ اس نے اپنی علمی اور تہذیبی روایات سے جو کچھ حاصل کیا وہ واضح نہیں ہے۔ اس نے بڑی مہارت اور چابکدستی سے اپنے موروثی علم میں ان فکری رجحانات کی آمیزش کی جو ان دنوں بغداد کے علمی حلقوں میں رائج تھے۔ یوں وہ اس نظریہ کا داعی بن گیا کہ تمام مختلف قوی نظامہائے فکر کی اصل ایک ہی ہے۔ یہ نظریہ ایک طرح فکری تاریخ میں نو افلاطونی نظریہ تجلی (Emanation) کے مشابہ ہے، جس کو اس نے فلسفہ کی رو سے حرانی لبادے میں قبول کر لیا۔ ابو معشر کا یہ نظریہ ایک اور بڑے ہی عجیب اور متناقض نظریہ اصطفائیت (Eclecticism) کو بھی جواز فراہم کرتا تھا۔ ابو معشر ایک ماہر نجوم تھا اور یہی وجہ ہے کہ اپنے نظریات کی وجہ سے کسی باز پرس یا گرفت سے محفوظ رہا۔ البتہ ایک بار اسے خلیفہ المستعین کے دور خلافت (862ء-866ء) میں کوڑے لگائے گئے۔ لیکن اس کی وجہ اس کے مخصوص افکار نہیں تھے بلکہ علم نجوم میں اس کی گہری وابستگی تھی۔

ابو معشر نے اپنی عملی زندگی کا آغاز بغداد میں خلیفہ المامون کے دور خلافت (813ء-833ء) کے شروع میں بطور محدث کیا۔ احادیث کے مطالعہ ہی کے ضمن میں اس نے قبل از اسلام عربی تقویم اور خلفائے راشدین کا بغور مطالعہ کیا۔ تقریباً 825ء میں ابو معشر کی زندگی میں ایک ایسا واقعہ رونما ہوا جس نے اس کی علمی سرگرمیوں کا رخ تبدیل کر دیا۔ یہ واقعہ وہ تنازعہ تھا جو اس کے مشہور فلسفی ابو یوسف یعقوب بن اسحاق الکندی (796ء-873ء) کے مابین شروع ہوا اور اس نے بعد میں خاصی تلخی اختیار کر لی۔ الکندی بیک وقت افلاطون، ارسطو، شارحین ارسطو، نو افلاطونیوں، حران کے صابیوں کی ہرمیس (Hermes) اور اگاتھوڈیمن (Agathodemon) سے منسوب کتابوں اور بالعموم ریاضی کے علوم مثلاً حساب، جیومیٹری، موسیقی، ہیئت اور نجوم میں دلچسپی رکھتا تھا۔ اس سے متاثر ہو کر ابو معشر کو

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فلسفیانہ استدلال کی تفہیم کے لیے علم ریاضی پڑھنے کا احساس ہوا۔ چنانچہ اس نے اپنی تمام تر صلاحیت نجوم کی فلسفیانہ اور تاریخی توجیہات بیان کرنے اور اس علم کی عملی افادیت کو واضح کرنے میں صرف کر دی۔ اس کوشش میں اس نے ان تمام عقلی روایات سے استفادہ کیا جن کا وہ ذاتی طور پر وارث تھا۔ یہ روایات حسب ذیل ہیں:

1- پہلوی، یونانی، ہندی، ایرانی روایت متعلقہ نجوم، ہیئت اور سحر جس کو بزرجمہر، اندرزگار، زردشت، ''زیج الشاہ'' ڈوروتھیس (Dorotheus) اور ویلنس (Valens) نے محفوظ کیا تھا۔

2- سنسکرت کی یونانی، ہندی روایات متعلقہ نجوم اور ہیئت جس کو اس نے وراہمی ہیرا (Varahamihira)، کنا کا (Kanaka)، ''سندھند''، ''زیج الارکند'' اور آریا بھاٹا سے حاصل کیا۔

3- فلسفہ، نجوم اور ہیئت میں یونانی روایت جو ارسطو، بطلیموس اور تھیون (Theon) کے حوالے سے اس تک پہنچی۔

4- سریانی نوافلاطونی فلسفۂ کواکب وسحر جو ابومعشر نے الکندی اور حرانیوں کی کتابوں سے حاصل کیا۔

5- ایرانی علماء کی ابتدائی ناتمام کوششیں جو انہوں نے علوم کی ترکیب میں کیں۔ ان علماء کے نمائندہ ماشاء اللہ، ابوسہل الفضل بن نوبخت، عمر بن فرخان الطبری اور ابو یوسف یعقوب القصرانی ہیں۔

ابومعشر کی شہرت بطور ماہر نجوم اپنے معاصرین میں اور بعد کے دور میں بھی بے حد زیادہ تھی۔ اس نے ایک ہندوستانی شاہزادے (شائدراشٹر کوٹا) کا زائچہ بنایا جو 11 جنوری 826ء کو پیدا ہوا تھا۔ اس نے خلیفہ کے اقتدار کے خلاف بعض باغیوں کو مشورے دیئے اور 880ء - 883ء میں بصرہ میں زنجیوں کے خلاف محاذ آرائی میں وہ خلیفہ الموفق کے ہمراہ رہا۔ دوسرے ابن القفطی کے مطابق اسلامی دنیا کے ماہرین نجوم کی طرح ''اثرات کواکب کے ضمن میں وہ مسلمانوں کا استاد تھا۔ ❶

❶ (معروف مسلم سائنسدان: ص ۱۳۳)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

البیرونی ابوالریحان محمد بن احمد

(973ء ___ بعداز 1050ء)

البیرونی کا نام ابوالریحان محمد بن احمد ہے۔ وہ 6- ستمبر 973ء کو خوارزم میں پیدا ہوا۔ یہ شہر اب روس میں ہے۔ اس کا انتقال کب اور کہاں ہوا، اس کے بارے میں اختلاف پایا جاتا ہے، لیکن عام طور پر یہی لکھا جاتا ہے کہ وہ غزنی میں 1050ء کے بعد فوت ہو گیا۔ البیرونی کی شہرت کئی حوالوں سے ہے، لیکن اسے ہیئت، ریاضیات، جغرافیہ اور تاریخ کے موضوعات میں مستند نام کی حیثیت حاصل ہے۔ صدیاں گزر گئیں، لیکن اب بھی البیرونی کی تحقیقات اور مطالعات میں تازگی پائی جاتی ہے اور دور حاضر کے اربابِ تحقیق اور سائنس دان ان سے راہنمائی حاصل کر رہے ہیں۔

البیرونی کی پیدائش اور ابتدائی نشوونما بحیرہ ارال (Aral) کے اس جنوبی علاقے میں ہوئی جو ازمنہ قدیم اور قرون وسطیٰ میں خوارزم کے نام سے مشہور تھا۔ اس کی جائے پیدائش کا نام خود اس کے نام کا حصہ ہے۔ اس علاقے کے دو مشہور شہروں میں سے ایک کا نام کاث (Kath) تھا اور البیرونی کی جہاں ولادت ہوئی، وہ جگہ اس شہر کے ذرا باہر تھی اور اسی وجہ سے اسے البیرونی کہا جانے لگا۔

کاث کا محل وقوع خیوا کے شمال مشرق میں آمو دریا کے دائیں کنارے پر تھا۔ خوارزم کا دوسرا بڑا شہر خیوا کے شمال مغرب میں دریا کے مخالف کنارے پر جرجانیہ تھا جسے آج کل کونیہ ارگنج (Kunya-Urgench) کہا جاتا ہے اور یہ اب

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس کے صوبہ ترکمانستان میں ہے۔ اس شہر میں بھی البیرونی نے اپنی ابتدائی زندگی کے کئی سال گزارے۔

البیرونی کے آباؤ اجداد اور بچپن کے حالات معلوم نہیں۔ کسی شاعر کی ہجو کرتے ہوئے وہ کہتا ہے کہ اسے (یعنی البیرونی کو) اپنے والد کی شخصیت کا بھی علم نہیں ہے۔ لیکن ہوسکتا ہے، اس نے یہ کسی شعری ضرورت کے تحت کہا ہو۔ البیرونی نے بچپن ہی سے مختلف سائنسی علوم سیکھنا شروع کر دیئے تھے۔ ان دنوں وہ خوارزم کے معروف ہیئت دان اور ریاضی دان ابونصر منصور کے حلقہ تلامذہ میں شامل تھا۔ یہ اسی استاد کی تعلیم و تربیت کا اثر تھا کہ ابھی اس کی عمر سترہ برس تھی کہ اس نے ایک ایسا حلقہ ایجاد کر لیا جس پر نصف درجہ تک کے نشانات لگے ہوئے تھے اور یہ نصف النہار کے وقت کاٹ میں ارتفاع شمس کے مشاہدہ کے لیے استعمال کیا گیا اور اس کی مدد سے اس نے زمینی عرض بلد نکالا۔ اپنے استاد کی نگرانی میں البیرونی نے تحقیق و مطالعہ کا کام جاری رکھا اور چار سال بعد اس نے 15 ذرائع (Cubit) قطر کا ایک حلقہ اور دیگر سامان پیمائش تیار کر لیا۔ یہ وہ وقت تھا جب صرف 995ء کے راس السرطان (Summer Solstice) کا مشاہدہ ممکن تھا۔ البیرونی نے اس کی پیمائش آمو دریا کے پار کاث سے جنوب میں واقع ایک گاؤں میں کی۔ ابھی اس کی تحقیقات جاری تھیں کہ ملک میں خانہ جنگی شروع ہوگئی۔ کسی کی جان و مال محفوظ نہ رہا۔ چنانچہ البیرونی اس بدامنی کی وجہ سے روپوش ہوگیا اور اپنے آبائی وطن سے ہجرت کر گیا۔

البیرونی نے اپنی کتاب ''تحریرالاماکن'' میں اس بات کی وضاحت کی ہے کہ اسے بعض دنیاوی امور میں بہ امر مجبوری حصہ لینا پڑا۔ ان دنیاوی مصروفیات نے اس کے علمی اور سائنسی کام کو بہت متاثر کیا اور وہ دلجمعی اور انہماک سے اسے جاری نہ رکھ سکا۔ اس کے ساتھ ساتھ دنیاوی مرتبے نے اس کے کئی حاسد بھی پیدا کر دیئے۔ ذیل میں چھ ایسے خانوادوں کا ذکر کیا گیا ہے، جن سے البیرونی کی چپقلش چلتی رہی:

1- کاث کا سردار بنوعراق سے تعلق رکھتا تھا۔ اس کو خوارزم شاہ کا قدیم لقب

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حاصل تھا۔ ابو نصر اسی خاندان کا ایک شاہزادہ تھا۔ 995ء میں جرجانیہ کے امیر نے اپنے اس سردار پر حملہ کر دیا۔ اس کو گرفتار کر کے قتل کر دیا اور خوارزم شاہ کا لقب اختیار کر کے تخت پر جا بیٹھا۔ حالات کی اس سنگینی نے البیرونی کو فرار ہونے پر مجبور کر دیا۔

-2 ایک صدی سے زائد عرصہ تک خوارزم شاہی خاندان سامانیوں کے زیر اثر رہا۔ سامانی خاندان زرتشت کا پیروکار تھا۔ بعد میں یہ خاندان مشرف بہ اسلام ہو گیا۔ یہ سامانیوں کا دارالحکومت تھا، جو خیوا کے جنوب مشرق میں دو سو میل کے فاصلے پر واقع تھا۔ اپنے زمانہ عروج مین سامانی اس شہر سے ایک وسیع علاقہ پر حکومت کرتے رہے جس میں موجودہ افغانستان، ماوراء النہر اور ایران شامل تھے۔ البیرونی کی جوانی کے زمانہ میں یہ حکومت ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو چکی تھی۔ اس کے باوجود وہ اپنی ایک نظم میں سامانی سلسلہ کے تقریباً آخری حکمران منصور ثانی (997ء تا 999ء) کا ذکر بطور اپنے سرپرست اول کے کرتا ہے۔

-3 اُن دنوں مغرب میں آل بویہ کی حکومت عروج پر تھی۔ شروع میں اس سلطنت کا حدود اربعہ جھیل کیسپین کے جنوب کے مرتفع علاقے تک تھا۔ بعد میں مفتوحہ علاقوں کی شمولیت سے اس کی سرحدیں جنوب میں خلیج فارس تک پھیل گئیں۔ حتیٰ کہ 945ء تک عراق بھی اس سلطنت کے زیر نگیں آ گیا۔

-4 سامانیوں اور بویوں کے علاقوں کے درمیان نہایت پرخطر محل وقوع رکھنے والی ریاست زیاریوں کی تھی، جس کا دارالحکومت جرجان تھا۔ یہ شہر جھیل کیسپین کے جنوب مشرقی کونے کے ذرا پیچھے واقع تھا۔

-5 یہ متحارب حکمران خاندان جس خطرے سے دوچار تھے اور جس نے بالآخر ان سب کو ہڑپ کر لیا، وہ تیزی سے پھیلتی ہوئی غزنوی سلطنت تھی۔ غزنویوں کا مرکز وسطی افغانستان کے مشرقی حصے میں واقع شہر غزنہ تھا۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سلطان محمود غزنوی کی عمر البیرونی سے دو سال زیادہ تھی۔ سلطان محمود غزوی ایک ترک غلام زادہ اور اپنے خاندان کا دوسرا سب سے عظیم سلطان تھا جس نے 1020ء تک ایک ایسی ریاست قائم کر لی جس کا عرض شمالاً جنوباً ایک ہزار میل اور طول شرقاً غرباً دو ہزار میل تھا۔

6- تیزی سے رونما ہونے والی ان تبدیلیوں کا محور و مرکز بغداد کا عباسی خلیفہ تھا۔ اس کا کام تقریباً وہی تھا جو قرون وسطیٰ کے پاپائے اعظم کا ہوا کرتا تھا۔ اسلامی ممالک کے سلاطین خلیفہ سے گہری عقیدت رکھتے تھے۔ ان سلاطین کو تعظیمی القاب اور خلعت فاخرہ عطا کر کے ان کے شکوہ میں اضافہ کا باعث بنتے۔

یہ بات یقین کے ساتھ کہنا مشکل ہے کہ 995ء میں البیرونی نے ان میں سے کس ریاست کو خیر باد کہا اور کس ریاست کا رخ کیا۔ ہوسکتا ہے کہ وہ اس وقت موجودہ تہران کے نزدیک شہر رے میں چلا گیا ہو۔ ''الآثار الباقیہ'' میں البیرونی نے مفلسی کی مصیبتوں کو ایک طنزیہ نظم میں بیان کیا ہے۔ اس میں وہ ذکر کرتا ہے کہ ایک مرتبہ وہ رے میں تھا، جہاں اس کا کوئی شاہی سرپرست نہ تھا اور حالات نہایت تکلیف دہ تھے۔ ایک مقامی منجم نے اس کی غربت کی وجہ سے اس کے نظریات کا مذاق اڑانا شروع کر دیا۔ بعد میں جب اس کے حالات، روبہ اصلاح ہوئے تو وہی منجم اس کی دوستی کا دم بھرنے لگا۔

بویہ شاہزادہ فخر الدولہ کے حکم پر ہیئت دان الخوجندی نے رے کے قریب پہاڑ پر ایک بڑا دیوار نما آلہ سدس (Sextant) تعمیر کیا۔ فخر الدولہ کے نام پر اس کو فخری آلہ سدس کہتے تھے۔ اس کی مدد سے البیرونی نے 994ء میں انقلاب شمسی کا مطالعہ کیا اور ایک رسالہ لکھا جس میں اس آلہ کی ساخت اور اپنے مشاہدات کی تفصیل لکھی۔ یہ معلومات شخصی طور پر الخوجندی سے حاصل کی گئیں۔ الخوجندی کا انتقال 1000ء میں اس لیے یہ ثابت ہوتا ہے کہ البیرونی نے 1000ء سے قبل ہی اس سے استفادہ کیا ہوگا۔ یہ امر بھی قرین قیاس ہے کہ اس زمانہ میں البرونی گیلان

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے صوبہ خزر میں موجود ہو۔ اس نے اپنی ایک کتاب زیاریوں سے وابستہ گیلان کے کمانڈر مرزبان بن رستم کو معنون کی ہے۔ وہ اپنی کتاب ''الآثار الباقیہ'' (سنہ تکمیل 1000ء) میں رقمطراز ہے کہ وہ اس سپہ سالار کے دربار میں رہا۔

البیرونی 997ء میں واپس کاث پہنچا اور اسی سال 24 مئی کو اس نے وہاں چاند گرہن کا مشاہدہ کیا۔ اس نے ابوالوفا سے یہ طے کر رکھا تھا کہ بیک وقت وہ بغداد سے گرہن کا مشاہدہ کرے۔ ''تحدید الاماکن'' میں اس واقعہ کا صرف سن دیا ہوا ہے لیکن یہی تاریخ درست ہے کیونکہ اگلا گرہن کاث اور بغداد دونوں شہروں سے نظر نہیں آ سکتا تھا۔ یہ چاند گرہن 17 نومبر 997ء کو لگا۔ پیمائش کے دوران وقت کا جو تفاوت نظر آیا، اس کی مدد سے البیرونی اور ابوالوفا نے دونوں شہروں کے طول بلد کا فرق دریافت کیا۔

اسی سال سامانی حکمران منصور ثانی مسند نشین ہوا۔ البیرونی انہی دنوں اس حکمران کے دربار سے وابستہ ہوا۔ اسی دوران میں جرجان کے زیاری حکمران قابوس کو اس کے ملک سے نکال دیا گیا۔ وہ فرار ہو کر بخارا پہنچا اور وہاں اپنا اقتدار واپس لینے کے لیے مدد چاہی۔ یہ مدد اسے حاصل ہوگئی۔ البیرونی یا تو اس کے ہمراہ واپس جرجان آیا یا اس کی آمد کے فوراً بعد پہنچا، کیونکہ 1000ء میں اس نے اپنی تصنیف ''الآثار الباقیہ'' کو قابوس کے نام سے معنون کیا۔

''الآثار الباقیہ'' البیرونی کی پہلی تصنیف نہ تھی کیونکہ اس میں وہ اپنی سات کتابوں کا ذکر کرتا ہے۔ یہ تمام کتابیں اس وقت نایاب ہو چکی ہیں۔ ان کے عنوان سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس نے کئی ایسے علوم کے لیے زمین ہموار کر لی تھی جن کی بعد میں اس نے آبیاری کی۔ ان سات کتابوں میں ایک اعشاری حساب دوسری اصطرلاب، تیسری فلکیاتی مشاہدات، تین کتابیں نجوم اور دو کتابیں تاریخ کے موضوع پر ہیں۔ اس زمانے میں مشہور فلسفی اور طبیب ابن سینا کے ساتھ حرارت اور نور کی ماہیت اور منتقلی کے موضوع پر خط و کتابت میں الجھ گیا۔ ''الآثار الباقیہ'' میں وہ ابن سینا کو ایک ''چھوکرا'' لکھتا ہے۔ اس مخاصمانہ مراسلت کے وقت البیرونی کی عمر

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بیس برس تھی، جبکہ ابن سینا کی عمر بیس برس سے بھی کم تھی۔

''تحدید الاماکن'' میں البیرونی نے لکھا ہے کہ اس نے خلیفہ مامون کی ہدایت پر زمینی خط نصف النہار (Meridian) کے ساتھ درجہ کی پیائش کی اور اس کے بعد اس عمل کو دہرانے کی خود ناتمام کوشش کی۔ اس کے لیے اس نے جرجان اور اغوز ترکوں کے علاقہ (شاید بحرخزر کے مشرق میں صحرائی علاقہ) کے مابین ایک موزوں قطعۂ زمین کا انتخاب کیا، لیکن اس کے سرپرست (غالباً سلطان قابوس) کو اس تجربہ میں کوئی دلچسپی نہ رہی۔

زیاری دربار سے البیرونی کے تعلق کو یوں ثابت کیا جا سکتا ہے کہ اس نے جرجان سے دو چاند گرہنوں کا مطالعہ کیا۔ ان میں سے پہلا چاند گرہن 19 فروری 1003ء اور دوسرا اسی سال 14-اگست کو لگا۔ آئندہ سال کے چاند گرہن کا مشاہدہ اس نے جرجانیہ سے کیا۔ یہ 4 جون 1004ء کو لگا تھا۔ ان تاریخوں کی درمیانی مدت میں وہ کسی وقت اپنے وطن واپس لوٹا اور خوارزم شاہ نے اس کی بڑی عزت وتکریم کی۔ اس کے مربی کا نام ابو العباس مامون تھا۔ مامون اور اس کے ایک بھائی کی سلطان محمود غزنوی کی بہنوں سے شادی ہوئی تھی۔

بادشاہ کی داد و دہش سے البیرونی نے جرجانیہ میں ایک آلہ نصب کیا، جو خط نصف النہار کے مستوی میں لگایا گیا یہ ایک بڑا سا حلقہ تھا جس کا نام البیرونی نے حلقہ شاہیہ رکھ دیا تھا۔ ''تحدید الاماکن'' اور ''القانون المسعودی'' میں مختلف جگہوں پر اس نے جرجانیہ میں کیے گئے پندرہ شمسی نصف النہار کے مشاہدات بیان کیے ہیں۔ ان میں پہلا 7 جون 1016ء کا راس السرطان اور دوسرا 7 دسمبر 1016ء کا راس الجدی کا مشاہدہ ہے۔ فارغ البالی کے اسی دور میں اس نے ارض پیائی کے مسائل کے ترسیمی حل کے لیے ایک آلہ بھی بنایا، جو دس ذراع قطر کا ایک نصف کرہ تھا۔

اس دوران میں خوارزم کے سیاسی حالات مزید دگرگوں ہو گئے اور ان کی خرابی کا اثر البیرونی پر بھی ہوا۔ خلیفہ قادر باللہ نے مامون کو خاص لقب عطا کیا اور اپنے سفیر کو بھی اس کے پاس بھیجا۔ شاہ خوفزدہ ہو گیا کہ کہیں سلطان محمود اس بات

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سے ناراض نہ ہو جائے کہ اس نے خلیفہ کے لقب کو بڑا راست کیوں قبول کر لیا۔ چنانچہ اس نے البیرونی کو بھیجا کہ وہ سفارت کو راستے میں روک دے، جو کچھ وہ لا رہے ہیں ان سے وصول کر لے اور انہیں واپس بھیج دے۔

1014ء میں سلطان محمود غزنوی نے مامون کو حکم دیا کہ خطبہ جمعہ میں اس کے نام کو بھی شامل کیا جائے۔ مامون نے اپنے وزراء اور امراء سے اس بارے میں رائے طلب کی، لیکن انہوں نے یہ حکم ماننے سے انکار کر دیا، کیونکہ یوں خطبہ جمعہ میں کسی کے نام کی شمولیت علاقائی خود مختاری کو ختم کرنے کے مترادف تھی۔ مامون خود محمود غزنوی کی حکم عدولی نہیں کرنا چاہتا تھا، چنانچہ اس نے اپنے امراء وغیرہ کو قائل کرنے کے لیے البیرونی کو ان کے پاس بھیجا۔ اس نے انہیں یہ یقین دہانی کرائی کہ شاہی تجویز محض ان کی وفاداری کو پرکھنے کے لیے پیش کی تھی، ورنہ خطبہ میں وہ کسی طرح کی تبدیلی کرنے کا ارادہ نہیں رکھتا۔ ان مذاکرات کی خبر جب محمود غزنوی کو پہنچی تو اس نے مامون کو سخت ڈانٹ پلائی اور اسے متنبہ کیا کہ وہ اپنے سرداروں کو قابو میں رکھے، ورنہ اسے یہ کام خود ہی کرنا پڑے گا مامون نے محمود غزنوی اور اپنے امراء دونوں کو خوش کرنے کی یہ راہ نکالی کہ جرجانیہ اور کاث کی مساجد میں خطبۂ جمعہ میں سلطان کا نام شامل نہ کیا اور دوسرے شہروں کی مساجد میں اس نام کو شامل کر دیا۔ لوگوں نے مامون کے اس اقدام کو پسند نہ کیا۔ خوارزم کی قوم نے علم بغاوت بلند کر دیا اور مامون کو قتل کر دیا۔ حالات کو یوں بگڑتے ہوئے دیکھ کر محمود غزنوی نے اپنے لاؤ لشکر کے ساتھ خوارزم پر حملہ کر دیا۔ اس نے، خوارزم شاہ کی بیوہ، جو اس کی اپنی بہن بھی تھی، کو ساتھ لیا، 3 جولائی 1017ء کو کاث کو فتح کیا، باغی سرداروں کو کیفر کردار تک پہنچانے کے بعد اپنے ایک افسر کو تخت پر بٹھا دیا۔ اور حکمران خاندان کے زندہ افراد کو مختلف جیلوں میں بند کر دیا۔ ❶

❶ (معروف مسلم سائنسدان: ص ۵۶۷)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

الکندی

(801ء___866ء)

ابو یوسف یعقوب ابن اسحاق الصباح کی ولادت 801ء کے لگ بھگ ہوئی اور اس نے 866ء میں بغداد میں وفات پائی۔ اس کی وجہ شہرت فلسفہ اور سائنس ہے۔

قدیم ماہرین کتابیات اور الجاحظ جیسے مصنفین نے الکندی کی زندگی کے بارے میں بہت سے قصے کہانیاں بیان کیے ہیں، لیکن مستند اور معتبر روایات بہت کم ملتی ہیں۔ یہاں تک کہ اس کی ولادت اور وفات کے سنین بھی حتمی طور پر معلوم نہیں۔ مختلف شواہد کو یکجا کرنے کے بعد مصطفیٰ عبدالرزاق متذکرہ بالا سنین ولادت و وفات کا تعین کرنے میں کامیاب ہوسکا۔

الکندی کا تعلق یمن کے ایک معزز اور محترم قبیلے کندہ سے تھا۔ اس نے حصول علم کا آغاز عراق کے شہر کوفہ سے کیا اور تکمیل بغداد میں ہوئی۔ یہ دونوں شہر اس عہد میں ثقافتی مراکز کا درجہ رکھتے تھے۔ بغداد ہی میں الکندی پر خلیفہ المامون کی نگاہ التفات پڑی۔ خلیفہ نے اسے اپنے دربار میں طلب کیا اور بغداد کے ''دارالحکمۃ'' میں اسے تعینات کر دیا۔ اسے یونانی کتب کے تراجم کی اصلاح کا فریضہ سونپا گیا جو بالعموم غلطیوں سے پر ہوتے تھے۔ المامون کے جانشین المعتصم نے الکندی کو اپنے بیٹے احمد کا اتالیق مقرر کیا جس کے نام سے الکندی نے کئی فلسفیانہ مضامین تحریر کیے۔ المعتصم کی وفات کے بعد دربار کے ساتھ الکندی کے تعلقات میں

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سرد مہری آ گئی اور الواثق کے عہد خلافت کے پورے عرصے میں یہ سرد مہری برقرار رہی۔ بہتری کی صورت اس وقت پیدا ہوئی جب الواثق کے بعد المتوکل نے کاروبار سلطنت سنبھالا۔ تاہم بہت جلد الکندی کو ذلت کا سامنا کرنا پڑا۔ وہ ماہرین ریاضیات بنوموسیٰ اور منجم ابومعشر جیسے مخالفین کی سازشوں کا شکار ہو گیا۔ علاوہ ازیں معتزلہ کے ساتھ اس کی ہمدردی نے بھی اس کے لیے مشکلات پیدا کر دیں کیونکہ المتوکل معتزلہ کے سخت خلاف تھا اور وہ انہیں چن چن کر قتل کروا رہا تھا۔ اپنی زندگی کے آخری ایام میں الکندی زیادہ تر گوشہ نشین رہا۔

بعض ماہرین کتابیات نے الکندی کو ''اولین عربی فلسفی'' کے خطاب سے یاد کیا ہے۔ اس نے ہجری علوم کی ترویج و اشاعت میں بھرپور کردار ادا کیا۔ مزید یہ کہ اس نے عربی کی فلسفیانہ اور بعض صورتوں میں سائنسی اصطلاحات کی حتمی تشکیل و توضیح میں اہم حصہ لیا۔ اس کے ذہنی ارتقاء کا ایک خاص پہلو قابل توجہ ہے اور وہ یہ کہ کیا وہ یونانی زبان جانتا تھا؟ قدیم سوانح نگار اور ماہرین کتابیات مثلاً ابن ابی اُصیبعہ اور ابن القفطی رقمطراز ہیں کہ الکندی نے یونانی فلسفیانہ اور سائنسی کتب کے تراجم کی مہم میں بڑا فعال کردار ادا کیا۔ تاہم اس کی معاونت سے جن کتابوں کے تراجم شائع ہوئے ہیں، ان کے تنقیدی جائزے سے پتہ چلتا ہے کہ اس کا کردار مترجم سے کم درجے کا تھا۔ ارسطو کی بعض کتابوں کے تراجم، جو حنین ابن اسحاق، ابو بشر متا، قسطا ابن لوقا، یحییٰ ابن عدی وغیرہ نے کیے اور اسی طرح اقلیدس، بطلیموس اور Eutocius کی کتابوں کے تراجم کے ضمن میں الکندی نے یا تو پہلے سے ترجمہ شدہ عربی متن کی اصلاح کی یا اس پر تبصرہ کیا اور یا پھر اس کا خلاصہ تحریر کیا۔ اس سے یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ وہ یونانی زبان سے اس حد تک آشنا نہیں تھا کہ وہ از خود تراجم کر سکتا۔ البتہ وہ عربی میں تراجم کی اصلاح و ترمیم کا کام کر سکتا تھا۔ بالخصوص فلسفیانہ اصطلاحات کی تشکیل و تفہیم میں اسے مقابلتاً زیادہ دسترس حاصل تھی۔

الکندی کی تقریباً پندرہ فلسفیانہ تصانیف محفوظ ہیں۔ اگرچہ ان کا انداز بیان عام طور پر پیچیدہ ہے، لیکن اس کے باوصف انہیں موضوعات کے لحاظ سے تقسیم کیا جا

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سکتا ہے۔

الکندی کی کتاب "Book of First Philosophy" کے محض چار ابواب دستبرد زمانہ سے محفوظ رہ گئے ہیں۔ اس کا آغاز فلسفے کے دفاع سے ہوتا ہے (خصوصاً اس فلسفے کے دفاع سے جو یونانیوں کے زیر اثر پروان چڑھا۔) بعد میں الکندی محسوسات اور معقولات کے اختلاف پر بحث کرتا ہے اور اس حوالے سے اپنے خیالات کا اظہار کرتا ہے کہ حصول علم کے طریقہ ہائے کار کیا ہیں۔ پھر ابدیت اور جسم سے متعلق سوالوں پر گفتگو کرتا ہے۔ آخری دو ابواب میں وحدت و کثرت کی جدلیات کو مکمل طور پر پیش کرتے ہوئے ''الواحد الحق'' یعنی ذات حقیقی کے اثبات تک اظہار خیال کرتا ہے۔ اس متن کے ساتھ رسالہ صداقت، رسالہ اول اور کامل ہستی کو شامل کیا جا سکتا ہے جس میں تحقیق، سلسلہ علل، عناصر خمسہ یعنی مادہ، صورت، مکاں، حرکت اور زماں جیسے مباحث درج ہیں۔

الکندی نے تین رسائل اس بات کو ثابت کرنے کے لیے لکھے کہ عالم نہ صرف یہ کہ مکاں میں بلکہ زماں میں بھی محدود ہے۔ (اس نکتے پر اس نے یونانی فلسفیوں سے برملا اختلاف کا اظہار کیا)۔ یہ رسائل درج ذیل ہیں:

1- کتاب رسالۃ فی تناہی جرم العالم
2- کتاب رسالۃ فی انہ لایمکن ان یکون جرم العالم بلانہایۃ
3- کتاب الفلسفۃ الاولی فیما دون الطبیعات والتوحید

الکندی کی دو تحریریں کائنات کو اس کی ساخت اور تعلیل کی نمایاں مشمولہ اقسام کے لحاظ سے بیان کرتی ہیں۔ مندرجہ ذیل پانچ رسالے روح اور عقل کے بارے میں لکھے گئے۔

1- کتاب رسالۃ فی ان النفس جوہر بسیط غیر دائر مؤثر فی الاجسام
2- کتاب رسالۃ ماہیۃ الانسان والعضو الرئیس منہ
3- کتاب رسالۃ فی خبر اجتماع الفلاسفۃ علی الرموز العشقیہ
4- کتاب رسالۃ فی ماللنفس ذکرہ وہی فی عالم العقل قبل کونہا فی العالم الحس

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

5- کتاب رسالۃ فی علت النوم والرویا وما یرمز بہ النفس

روح پر جو رسالہ افلاطون، ارسطو اور دیگر فلاسفہ سے متاثر ہو کر لکھا گیا وہ نہایت فلسفیانہ اور متصوفانہ پیرائے میں روح اور بدن کے تعلقات اور ان کی تقدیر کی وضاحت کرتا ہے۔ روح سے متعلق رسالہ روح کائنات کے بارے میں مختصر مگر مؤثر بحث پیش کرتا ہے۔ اور خواب سے متعلق لکھا گیا رسالہ ان ہر دو مظاہر کی نفسیات اور عضویات بیان کرتا ہے۔ عقل پر رسالہ ارسطو کی عقلیات کی نوفلاطونی تشریح پر مبنی ہے۔ اداسی دور کرنے کے طریقے پر رسالہ اس بات کی سفارش کرتا ہے کہ مریض کو محض عالم عقل سے رابطہ استوار کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ اس میں الکندی نے اس نظریے کا اظہار کیا ہے کہ اداسی کو عقلی جدلیات اور ایسے کردار کی معرفت دور کیا جا سکتا ہے جس میں توکل، تدبر اور اداسی کے حالات سے بچنے کی سبیل موجود ہو۔ یہ ایک ایسی نصیحت ہے جو قدیم علمائے اخلاق کے تتبع کے عین مطابق ہو۔

اس رسالے کے علاوہ تقریباً ایک سو آراء اور اخلاق سے متعلق مقولے ابو سلیمان السجستانی کی ''منتخب صوان الحکمۃ'' میں الکندی سے منسوب کیے گئے ہیں۔ ارسطو کی کتب کی تعداد پر رسالہ، اور ''تحصیل فلسفہ کے لیے کس چیز کی ضرورت ہے؟'' پر کتاب بنیادی طور پر ارسطو کی تحریروں کی فہرست، انداز مطالعہ اور آیات قرآنی کی تفسیر پر مشتمل ہیں۔ اشیاء کی تعریف اور توضیح پر رسالہ دقیق مسائل پیش کرتا ہے کیونکہ اس میں تقریباً ایک سو ایسی تعریفیں ہیں جو الکندی کے باقی معروف رسائل سے مطابقت نہیں رکھتیں۔

مذکورہ بالا کتب ماہرین کتابیات کی بیان کردہ فہرست کے محض ایک حصے پر مبنی ہیں۔ چنانچہ الکندی کے فکر کی مکمل اور متوازن تصویر پیش نہیں کی جا سکتی۔ نیز اس کی تحریریں، جو بہت زیادہ طویل نہیں ہیں، ان مفصل دلائل پر مشتمل ہیں جن میں لاتعداد تصورات کے کام لیا گیا ہے۔ لہٰذا ان سب کی تلخیص ناممکن ہے۔ تاہم معروف تصانیف کے چیدہ چیدہ موضوعات کی نشاندہی کی جا سکتی ہے۔ ❶

❶ معروف مسلم سائنسدان: ص ۱۱۹

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فہرس المراجع

1- القران الکریم — تنزیل من رب العالمین
2- روح المعانی — أبوالفضل شہاب الدین محمود الآلوسی
3- تفسیر کبیر — امام فخر الدین رازی
4- تفسیر جواہر القرآن — شیخ الاسلام شبیر احمد عثمانی
5- تفسیر عثمانی — مولانا ابوالکلام آزاد
6- ترجمان القرآن — شاہ ولی اللہ محدث دہلوی
7- الفوز الکبیر — سید ابوالحسن علی ندوی
8- ماذا خسر العالم بانحطاط المسلمین — ترجمہ مولانا عبدالماجد دریا آبادی
9- تاریخ اخلاق یورپ، لیکی — موریسن اے کریسی ترجمہ صلاح الدین احمد
10- خدا ہمارے ساتھ ہے — ڈاکٹر جان ولیم ڈریپر، ترجمہ مولانا ظفر علی خان
11- معرکہ مذہب وسائنس — ڈاکٹر سید عبداللہ
12- اقبال کی تنقید مغرب اور اس کی معنویت — برٹانیکا
13- انسائیکلو پیڈیا — دانش گاہ، یونیورسٹی آف پنجاب
14- اردو دائرہ معارف اسلامیہ، — عملہ ادارت، اردو سائنس بورڈ لاہور
15- معروف مسلم سائنسدان — ڈاکٹر جاوید اقبال، ترجمہ ڈاکٹر افتخار احمد صدیقی
16- شذرات فکر اقبال — ترجمہ عبدالحمید صدیقی
17- میکالے کا نظریہ تعلیم — موسیو لی بان
18- تمدن عرب

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

19- تہافت التہافت الاسلامیہ — ابوحامد محمد بن محمد الغزالی
20- الاعلام — زرکلی، خیرالدین
21- الرسالہ، دہلی مطبوعہ جولائی 1991ء
22- تکبیر، کراچی، مطبوعہ جولائی 1984ء
23- ماہنامہ سیارہ، اقبال نمبر
24- ریڈرز ڈائجسٹ، مارچ 1974ء
25- ترجمہ حی بن یقظان از S. Ockley لندن 1708ء
26- عیون الأنباء فی طبقات الاطباء — ابن أبی أصیبعہ مطبوعہ قاہرہ
27- کشف الظنون — حاجی خلیفہ
28- ارشاد الاریب — یاقوت حموی
29- Itanislas Guyard: Encyclopedie des Science Religions
30- Hearnshaw: Ediaeval contributions to modern civilization
31- Towner: The Philosophy of civilization
32- T.W.Draper: A History of The Intellectual Development of Europe3
33- Confloct between Science of Raligion
34- Mohammad Asad: Islam at The Cross Reads
35- The Legacy of Islam
36- Haskin: Studies in The History of Mediaeval Science
37- Joad: Philosaphy for our times
38- Tohn Alexis Carrel: Carrel: Man the unknown
39- Introduction to the History of Science
40- Development of Muslim Theology: D. MacDonald

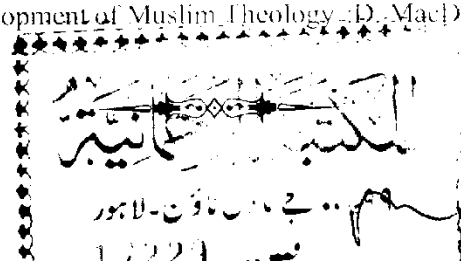

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

راحت پبلشرز
اردو بازار، لاہور
ISBN: 978-626-9202-03-2